وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝٣
وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝٤

# اسلام کا نظامِ اخلاق وآداب


تالیف
ابو حمزہ عبدالخالق صدیقی

تخریج واضافہ
حافظ حامد محمود الخضری   حافظ نصر اللہ

تقریظ
شیخ الحدیث عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ





انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

# فہرست مضامین






اچھے اخلاق


برے اخلاق

# تقریظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ ، وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن . اَمَّا بَعْدُ!

کسی بھی معاشرے کی ترقی اور خوش حالی کا انحصار عقیدۂ سلیمہ اور اچھے اخلاق و کردار پر ہوتا ہے۔ جب تک کوئی معاشرہ اچھے اخلاق اور اچھے کردار کا مظاہرہ نہ کرے۔ ایسے معاشروں پر اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(( اِنَّ اللّٰہَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ ، وَیُعْطِیْ عَلَی الرِّفْقِ مَا لَا یُعْطِيْ عَلَی الْعُنْفِ ، وَمَا لَا یُعْطِی عَلٰی مَا سِوَاہُ . )) [1]

"بلا شبہ اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔ نرمی پر وہ کچھ عطا فرماتا ہے جو کہ سختی، اور اس کے علاوہ کسی دوسری چیز پر عطا نہیں فرماتا۔"

آپ ﷺ کی بعثت کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اچھا اخلاق سکھائیں۔ اور اچھے اخلاق کی بلندیوں تک پہنچا دیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

(( بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ . )) [2]

"میں حسن اخلاق کو پورا کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔"

چنانچہ آپ ﷺ نے اچھے اخلاق کی خوب ترغیب بھی دی، اور حکم بھی صادر فرمایا کہ اچھے اخلاق کے ساتھ لوگوں سے ملا کرو۔

(( عَنْ اَبِیْ ذَر جندب بن جنادة وأبي عبدالرحمن معاذ بن

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة ، رقم: ٢٥٩٣.

[2] مؤطا مالك ، كتاب حسن الخلق ، باب ما جاء في حسن الخلق ، رقم: ٨.

جبل رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ ﷺ قال: اتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ ، وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسنَةَ تَمْحُهَا ، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ . )) [1]

''سیّدنا ابو جندب بن جنادہ اور ابو عبدالرحمٰن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھا کرو، اور گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔''

یہی حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَ قُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝۵۳ ﴾ (بنی اسرائیل : ۵۳)

''میرے بندوں سے کہہ دیں کہ اچھی بات ہی منہ سے نکالا کریں۔ کیونکہ شیطان آپس میں فساد پیدا کرتا ہے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

شیطان لوگوں میں نفرت اور کینہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس بدترین دشمن کی دشمنی سے اس طرح بچا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں اور نرم گفتگو کریں۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دی گئی تعلیمات کا ذکر فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ وہ تعلیمات اخلاق و آداب سے ہی متعلق ہیں:

﴿ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۸۳ ﴾ (البقرہ : ۸۳)

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے، اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے، اور رشتہ داروں، یتیموں اور

---

[1] سنن ترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ۱۹۸۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

مسکینوں کے ساتھ بھی (اچھا سلوک کرو گے) اور لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرو اور نماز قائم کرو، اور زکاۃ دو، پھر کچھ افراد کے سوا، تم سب نے منہ پھیرتے ہوئے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اُمت اسلامیہ نے ان عہود ومواثیق کا دوسری اُمتوں کے مقابلے میں زیادہ خیال کیا۔ صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا، میں نے پوچھا پھر کون سا ؟ آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک، میں نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے، ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ تو آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، کہا: پھر کس کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، کہا: پھر کس کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا: اپنے باپ کے ساتھ، پھر بالترتیب جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں۔'' (تفسیر ابن کثیر)

ڈاکٹر لقمان سلفی لکھتے ہیں: ''یہاں لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام حسن بصری کہتے ہیں کہ اس میں لوگوں کو اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔ کلمہ (الناس) سے اس بات کی طرف اشارہ کہ اس حکم میں سبھی لوگ حتی کہ کفار بھی شریک ہیں۔ اگر مخاطب مسلمان ہے تو اسے سلام کیا جائے اور ہنستے چہرے کے ساتھ بات کی جائے، اور اگر کافر ہے تب بھی اس کے ساتھ اچھے انداز میں گفتگو کی جائے، کیونکہ مسلمان بدزبان، گالی گلوچ دینے والا اور جھگڑالو نہیں ہوتا۔ مسلم اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو، چاہے نیکی یہی ہو کہ تم اپنے بھائی کے ساتھ مسکراتے چہرے کے ساتھ ملو۔'' (تیسیر الرحمن، ص: ۵۰، ۵۱)

اچھا اخلاق سب سے وزنی نیکی ہے۔ جب کہ بدکلامی، کرخت لہجے میں گفتگو کرنا اللہ کی ناراضگی کو اپنے لیے واجب کرنا ہے۔ جو کہ کسی طرح بھی مؤمن کے لائق نہیں ہے۔

((عَنْ أبی الدرداء ان النبیﷺ قال: مَا شَیْءٌ اَثْقَلُ فِي مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ ، وَاِنَّ اللّٰهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ . )) ❶

"ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: روزِ قیامت مؤمن کے میزان میں اچھے اخلاق سے وزن میں کوئی چیز نہیں ہوگی ، اور بے شک اللہ فحش گو، بدکلام کو ناپسند کرتا ہے۔"

منافق اخلاق حسنہ اور تفقہ فی الدین سے عاری رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(( خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِی مُنَافِقٍ ، حُسْنُ سَمْتٍ ، وَلَا فِقْهٌ فِی الدِّیْنِ . )) ❷

"دو خصلتیں اور عادتیں منافق میں جمع نہیں ہوسکتیں: اچھا اخلاق، اچھا چال چلن اور تفقہ فی الدین۔"

معلوم ہوا کہ بُرا اخلاق منافقت کی علامت ہے۔ جب کہ مومن اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے، کیونکہ اخلاق حسنہ سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

(( اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا . )) ❸

"سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں۔"

اچھے اخلاق کی وجہ سے لوگ روزِ قیامت آپ ﷺ کے قریب ہوں گے۔ جب کہ بداخلاق آپ سے انتہائی دُور ہوں گے۔

(( عَنْ جَابِرٍ انّ رسول اللّٰهﷺ قَالَ: اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَیَّ ، وَاَقْرَبِكُمْ مِنِّی مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا ، وَاِنَّ

❶ سنن ترمذی، کتاب البر والصلة ، رقم: ۲۰۰۲ ۔ سلسلة الصحیحة ، رقم: ۸۷٦.

❷ سنن ترمذی ، کتاب العلم، رقم: ۲٦۸٥٤ ۔ سلسلة الصحیحة ، رقم: ۲۷۸.

❸ سنن ابو داؤد، کتاب السنة ، رقم: ٤٦۸۲ ، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "حسن صحیح" کہا ہے۔

اَبْغَضَكُمْ اِلَيَّ وَاَبْعَدَكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَلثَّرْثَارُوْنَ ، وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ . )) ❶

''سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور روزِ قیامت میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سے اخلاق میں سب سے زیادہ اچھے ہوں گے۔ اور تم میں سے سب سے زیادہ مجھے ناپسندیدہ اور قیامت والے دن سب سے زیادہ دُور وہ لوگ ہوں گے جو زیادہ باتیں کرنے والے، باچھیں کھول کر طویل گفتگو کرنے والے، اور تکبر کرنے والے ہوں گے۔''

اچھے اخلاق کی وجہ سے ہی انسان اچھا بن سکتا ہے۔ اور ایسے انسان سے خیر کی توقع وابستہ کی جاسکتی ہے۔ اور اس کے برعکس بُرے اخلاق اور سوءِ ادبی کی وجہ سے انسان بُرا بن جاتا ہے۔ اور ایسے انسان سے خیر کی توقع قطعی نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ خیر کی توقع تو دُور کی بات ہے، اس کے شر سے بھی نہیں بچا جاسکتا۔ یہ معیار اور پیمانہ پیارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درج ذیل فرمانِ عالیشان میں ذکر ہوا ہے:

(( عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَقَفَ عَلَى نَاسٍ جُلُوْسٍ ، فَقَالَ: اَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ مِنْ شَرِّكُمْ؟ قَالَ: فَسَكَتُوْا فَقَالَ: ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، فَقَالَ رَجُلٌ : بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا قَالَ: خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجٰى خَيْرُهُ ، وَيُؤْمَنُ شَرُّهُ ، وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُرْجٰى خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهُ . )) ❷

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ وہاں کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: کیا

❶ سنن ترمذی ، ابواب البر والصلة ، رقم: ٢٠١٨ ـ سلسلة الصحيحة ، رقم: ٧٩١.

❷ سنن ترمذی ، كتاب الفتن، رقم : ٢٢٦٣ـ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

میں تمہیں، تم میں سے اچھے اور بُرے کی خبر نہ دوں؟ راوی بیان کرتے ہیں کہ وہ (صحابہ کرام) خاموش رہے، پس آپ نے تین دفعہ پوچھا، تو بالآخر ایک صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں، آپ ہمیں اچھے اور بُرے کی خبر ضرور دیں (کہ اچھا کون ہے اور بُرا کون؟) آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جس سے بھلائی کی اُمید رکھی جا سکے، اور اس کی شرارتوں سے محفوظ رہا جا سکے۔ اور تم میں سے بدتر وہ شخص ہے کہ جس سے بھلائی کی اُمید نہ ہو اور اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ رہا جا سکے۔''

نرم مزاجی، اخلاق حسنہ کامل جانا اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان ہے۔ اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفاتِ عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے کیا ہے۔ اور مسلمانوں پر احسان جتایا ہے کہ نرمی کا یہ جذبہ جو آپ کے اندر مسلمانوں کے لیے موجزن ہے، اللہ رب العزت کا عطیہ ہے، اسی نے آپ پر اور صحابہ کرام پر رحم کھاتے ہوئے یہ جذبہ نرم خوئی آپ کے اندر پیدا کر دیا ہے کہ آپ ہر حال میں ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں، ورنہ میدانِ اُحد میں انہوں نے اپ کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ تو بڑا اس ہی غصہ دلانے والا تھا۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝۱۵۹ ﴾

(آل عمران: ۱۵۹)

''آپ محض اللہ کی رحمت سے اُن لوگوں کے لیے نرم ہوئے ہیں، اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، پس آپ انہیں معاف کر دیجیے، اور ان کے لیے مغفرت طلب کیجیے، اور معاملات میں ان سے مشورہ لیجیے، پس جب آپ پختہ ارادہ کر لیجیے تو اللہ پر بھروسہ کیجیے، اللہ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔''

یعنی اگر آپ بد خلق، سخت زبان، سخت دل ہوتے ، اور اپنے صحابہ کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے تو ایک ایک کر کے سب آپ سے الگ ہو جاتے اور دعوت کا کام رُک جاتا، لیکن اللہ نے آپ کو نرم خو، نرم زبان، خوش مزاج ، اور رحم دل بنایا ہے۔ امام بخاری اور دوسرے محدثین نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تورات میں وہی صفات بیان ہوئی ہیں جو قرآن میں موجود ہیں، کہ آپ سخت زبان، سخت دل ، اور بازاروں میں شور مچانے والے نہ ہوں گے اور بُرائی کا جواب بُرائی سے نہیں دیں گے، بلکہ عفو ودرگذر سے کام لیں گے۔

عفوودرگذر بھی اخلاقِ حسنہ میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن سے آپ کے حق میں جو کوتاہی ہوئی ہے اُسے درگذر کر دیجیے، جیسا کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے، اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کیجیے، اور جنگی اور غیر جنگی تمام معاملات میں اُن سے مشورہ لیتے رہیے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں صحابہ کرام سے بہت سے معاملات میں مشورہ کرتے رہے، غزوۂ بدر کے موقع سے دشمن کی فوج کو جا لینے کے بارے میں مشورہ کیا، غزوۂ اُحد کے موقع پر مشورہ کیا کہ شہر میں رہ کر دفاع کیا جائے ، یا باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے، غزوۂ خندق کے موقع سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ اے مسلمانو! مجھے مشورہ دو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے ساتھ مشورہ کے بعد جو رائے طے پا جائے ، اس کام کو کر گزرنے کے لیے اللہ پر بھروسہ کیجیے، لوگوں کے مشورہ پر نہیں۔

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ مقصود اُنہیں اُمور میں مشورہ کرنا ہے، جن کے بارے میں شرع میں حکم صریح موجود نہ ہو۔

بعض علمائے اُمت کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ مسلمان حکام کو علماء سے اُن اُمور میں ضرور مشورہ کرنا چاہیے جن کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے۔ (فتح القدیر للشوکانی)

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ توکل کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ آدمی اپنے آپ کو مہمل اور بے کار سمجھے، جیسا کہ بعض جاہلوں کو خیال ہے، ورنہ مشورہ کرنا توکل کے خلاف ہوتا۔ توکل یہ ہے کہ آدمی ظاہری اسباب کو تو اختیار کرے، لیکن دل سے اُس پر بھروسہ

نہ کرے، بھروسہ ہو تو صرف اللہ پر۔ (تفسیر کبیر، للرازی)

گویا رسول اللہ ﷺ میں ہر وہ چیز موجود تھی جس کا تعلق اخلاق حسنہ سے ہو۔ آپ کے اِس بلند اخلاق کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بایں الفاظ کیا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝٤﴾ (القلم: ٤)

''کہ بلاشبہ آپ تو بڑے عظیم اخلاق کے مالک ہیں۔''

اس عظیم اخلاق نے لوگوں کو آپ کا گرویدہ بنایا کہ لوگ جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا مطالعہ کیجیے کہ جو آپ کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا، مدینہ اس کے نزدیک سب سے گھٹیا شہر تھا، اسلام کو سب سے بُرا مذہب جانتا تھا، لیکن جب آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا تو پھر خود کہہ اُٹھا کہ آپ ﷺ مجھے سب سے زیادہ محبوب، آپ کا شہر مدینہ سب سے زیادہ عزیز اور آپ کی لائی ہوئی شریعت، دین اسلام میرے نزدیک سب سے زیادہ پیارا ہے۔ [1]

یہ انقلاب کیوں آیا، بدترین دشمن دوست کیسے بن گیا، جی ہاں! اچھے اخلاق و عادات سے، آج اگر ہم بھی اپنے اخلاق و عادات کو اچھا بنالیں، با ادب بن جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ ہمارے گرویدہ نہ ہوں۔ لوگ ہم سے پیار نہ کریں۔ لوگ ہمیں اپنا محبوب نہ بنائیں۔ یہ تمام چیزیں حاصل ہو جائیں گی اچھے اخلاق و عادات سے۔ مؤدب بن جانے سے۔ لٰہذا اپنے اخلاق و عادات، طور واطوار کو اچھا بنانے کی کوشش کریں۔ مثل مشہور ہے۔

با ادب با نصیب! بے ادب بد نصیب!

زیرِ نظر کتاب ''اسلام کا نظامِ اخلاق وادب'' اپنے موضوع میں ایک مکمل کتاب ہے جس میں موضوع سے متعلق تقریباً ہر بات تفصیلاً اجمالاً مذکور ہے، اخلاق وادب کے باب میں یہ ایک عظیم اور مؤثر اضافہ ہے۔ یہ تصنیف ہمارے دو انتہائی عزیز بھائیوں اور دوستوں کی مخلصانہ مساعی کا نتیجہ ہے، ہم ان کی اس عظیم کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دُعا گو

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم: ٤٣٧٢.

ہیں کہ وہ ان کے علم وعمل میں اضافہ فرمائے۔

ان میں سے ایک محترم بھائی ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی حفظہ اللہ ہیں، جو علماء کے محبّ اور زمرۂ محدثین کے سچے خادم ہیں۔ حدیث کی نشر واشاعت کے جذبہ سے سرشار ہیں، اور چونکہ اخلاص وتقویٰ کی دولت سے مالا مال ہیں۔ لہٰذا ان کے دل سے نکلی ہوئی باتیں سیدھا پڑھنے والوں کے دلوں میں داخل ہوجاتی ہیں۔ فجزاه الله عنا و عن المسلمين خير الجزاء .

دوسرے ہمارے انتہائی قابل احترام ساتھی فضیلۃ الشیخ حافظ حامد محمود حفظہ اللہ ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کے رسوخ واتقان سے نوازا ہے، بڑی لگن، محنت، جانفشانی اور عرق ریزی سے علم اور بالخصوص حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مصروف ہیں۔ بہت سی عربی اور اُردو کتب کے مصنف ہیں، اور بہت سی کتب زیر طباعت ہیں۔ آج کے پُرفتن دور میں جنہیں اشتغال بالسنہ اور اہتمام بالعلم النافع کی توفیق مل جائے وہ بڑے برگزیدہ لوگ ہیں۔ اور محترم حافظ صاحب کی جملہ جہود ومساعی کا مدار یہی نکتہ ہے، اللہ تعالیٰ ان پر مزید علم نافع اور عمل صالح کے دروازے کھول دے، اور دل کو تقویٰ واخلاص سے معمور فرمادے۔ وجعله سندالخدمة الاسلام والمسلمين ، وحفظه و رعاه و سدد خطاه .

ان شاء اللہ یہ کتاب اخلاق وادب کے تعلق سے انتہائی ممد ومعاون ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مؤمنین وجملہ معاونین ومساعدین کو اجر جزیل سے نوازے، اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔ وماذلك على الله بعزيز .

اُردو زبان میں لکھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ان دونوں بھائیوں نے ہماری سرپرستی میں تقریباً پچیس کتب خالص قرآن وسنت، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وآثار، اور معتبر مفسرین کی تفاسیر سے گل چن کر ترتیب دیں اور پھر انہیں زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے عوام الناس کے ہاتھوں میں پہنچایا۔ اُردو دان طبقہ پر یہ ایک عظیم احسان ہے۔ ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشآء .

یہ طریقۂ سلف صالحین، اور منہج محدثین ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ ایسی ہی جماعت کے

متعلق فرماتے ہیں: ((لولا ھذہ العصابة لاندرس الإسلام)) ”یعنی اگر یہ جماعت نہ ہوتی تو اسلام مٹ چکا ہوتا۔“ لیکن افسوس! آج اس منہج کو باقاعدہ ایک سازش کے تحت پامال کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ مزید لکھنے کی ضرورت نہیں، اور جو لوگ اس کام میں مصروف ہیں اُن کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ فانا للّٰہ وانّا الیه راجعون.

عصر حاضر میں جب کہ لوگ شرعی احکامات سے بُعد اور دوری اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ انہیں صحیح نہج پر لانا اور ان کا قبلہ درست کرنا ایک عظیم نیکی ہے۔ جس کا بہترین طریقۂ کار تصنیف و تالیف ہے۔ اسے ہم خاموش تبلیغ سے تعبیر کرتے ہیں۔

مادہ پرستی کے اس دور میں علی طریقة السلف لکھنا بڑی عظیم سعادت اور برگزیدہ لوگوں کی علامت ہے اور عصابۂ حق و صداقت کا میزہ و خصیصہ ہے۔ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں: ((التفقه في معاد الحديث نصف العلم)) [المحدث الفاصل، ص: ۲۳۰] ”متن حدیث کو بار بار پڑھ کر اس کی فقہ حاصل کرنا آدھا علم ہے۔“

آخر میں ہم اپنے ان بھائیوں کو اس شعبہ سے منسلک رہنے کی، اور استقامت، اخلاص اور تقویٰ اختیار کرنے اور مزید احتیاط سے لکھنے کی نصیحت کرتے ہیں، اہل ایمان کی خصوصیت ہے کہ ((لا يخافون لومة لائم)).

حلم، حوصلہ، بردباری، اخلاق حسنہ سے ہی انسان، انسان بن سکتا ہے۔ بقولِ سلف ((زين العلم حلم أهله.))

وصلى الله على نبينا محمد و على آله و صحبه وأهل طاعته أجمعين.

وكتبه

عبداللہ ناصر رحمانی

سرپرست: انصار السنہ پبلی کیشنز، لاہور

۲۰۰۸/۱۱/۱۸ء




آداب

باب نمبر:1

# اللہ تعالیٰ کا ادب

بعض لوگ انبیاء اور صلحاء کا ادب و احترام تو کرتے ہیں، اور زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکالتے جس سے ان کی عزت و احترام میں کوئی فرق آئے۔ لیکن اللہ عزوجل کے بارے میں ان کی زبانیں محتاط نہیں ہوتیں۔ کتاب وسنت کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ ہمیں آداب بارگاہِ الٰہی کے کیا سلیقے سکھائے گئے ہیں؟

خضر علیہ السلام کا ادب و احترام دیکھیے جب سمندر میں کام کرنے والے مساکین کی کشتی کو توڑا تو کہا:

﴿أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾﴾ (الکھف : ۷۹)

''میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کردوں۔''

جب یتیم بچے کا باپ جو کہ ولی اللہ تھا ان کی گرتی ہوئی دیوار بنا کر ان کا خزانہ محفوظ کیا تو یوں کہا:

﴿فَأَرَادَ رَبُّكَ﴾ (الکھف : ۸۲)

''تیرے رب نے چاہا''۔

حقیقت میں ادب اور بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر عیب اور نقص اپنی طرف منسوب کریں، اور اپنے دامن کے داغوں کا ذمہ دار اپنے آپ کو ٹھہرائیں، اور تمام اچھائیاں، بھلائیاں، کامیابیاں، فتوحات اور انعامات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں۔

ابراہیم علیہ السلام کو دیکھیے کہ بارگاہ الٰہی میں کس قدر مودب تھے۔

﴿الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ۝ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝﴾ (الشعراء : ۷۸۔۸۰)

''میرا خالق ہی میرا ہادی و رہنما ہے، وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی ہے جو مجھے شفا دیتا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں اپنی تخلیق و پیدائش اور کھلانے پلانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف، اور بیماری کی نسبت اپنی طرف جبکہ شفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے۔ جو کہ کمال ادب ہے۔

حتیٰ کہ مؤمن جن بھی کلام کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ کہیں بارگاہ صمدیت میں گستاخی و بے ادبی کے مرتکب ہوکر حرمان رحمت الٰہی کے سزاوار و مستحق نہ بن جائیں۔اس بات کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت سے لگایا جاسکتا ہے۔

﴿وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝﴾ (الجن : ۱۰)

''اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کیا شر کا ارادہ کیا گیا ہے ان کے ساتھ جو زمین میں رہتے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ خیر بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔''

اس میں ان مسلمان جنوں کا اپنے رب کے ساتھ یہ حسن ادب کہ انہوں نے ''شر'' کو اس کی طرف منسوب نہیں کیا، اور جب خیر کا ذکر آیا تو اسے اس کی طرف منسوب کیا۔

## عبادت حقیر رحمت عظیم:

ادب کا ایک یہ بھی تقاضا ہے کہ انسان اپنی عبادت، ریاضت اور بندگی کو حقیر سمجھے، اور رحمت الٰہی کو عظیم سمجھے، اور اپنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی انکساری کے اضافہ کا سبب بنائے۔

﴿وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝﴾ (البقرہ : ۱۲۷)

''اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادوں کو تعمیر کر رہے تھے، اے ہمارے رب! تو ہم سے (ہماری نیکی کو) قبول کر لے۔ بلاشبہ تو ہی خوب سننے اور جاننے والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر کر رہے ہیں لیکن ساتھ ساتھ دعا میں عاجزی، انکساری اور تواضع کی مثال پیش کر رہے ہیں۔

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾﴾ (البقرہ: ۱۵۰)

''آپ جہاں سے بھی نکلیں تو اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف پھیریں، اور جہاں کہیں بھی ہو تو اپنے چہروں کو اسی طرف پھیرو۔ تاکہ لوگوں کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے۔ سوائے ان لوگوں کے کہ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تو تم ان سے نہ ڈرو۔ بس مجھ سے ہی ڈرو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت مکمل کر دوں، تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ادب کی انتہا کر دی ہے کہ تم جہاں جس حال میں بھی ہو اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی طرف چہرہ کرو، اور اپنی محبت و عقیدت کا محور اسی ذات باری تعالیٰ کو بناؤ تاکہ ہر اچھائی کی نسبت اللہ کی طرف اور ہر کمی و کوتاہی کی نسبت اپنی طرف کرو۔ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا﴾ (الاعراف: ۲۳) آدم علیہ السلام نے بھی زیادتی کی نسبت اپنی طرف کی۔ مگر شیطان نے کہا، ﴿فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي﴾ (اعراف: ۱۶) ''اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا۔'' اپنی گمراہی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی، اور یہ ادب و اصول کے خلاف بات ہے۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ

بِهٖ﴾ (المائدہ : ۳)

''تم پر مردار کو، خون کو، خنزیر کے گوشت کو اور جو چیز بھی غیر اللہ کے نام پر مشہور کی گئی ہو، تمام چیزیں تم پر حرام کر دی گئیں ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ادب کا حقیقی مقصد اطاعت کرنا، اور شرک سے بچاؤ اور حرام اشیاء کے ارتکاب سے دور رہنے کو قرار دیا ہے۔ نبی کریم، رسول معظم سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

((عَنِ النَّبِیَّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ: "قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: كَذَبَنِی اِبْنُ آدَمَ وَشَتمنی وَلَمْ یَكُنْ لَهُ ذَلِكَ......وَاَمَّا شَتْمُهُ اِیَّایَ فَقَوْلُهَ: اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا .)) ❶

''ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ یہ اس کے لائق نہیں۔ آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ گالی دینے سے مراد اللہ تعالیٰ کی اولاد ثابت کرنا ہے۔''

معلوم ہوا غیر اللہ کے نام پر چیزیں دینا خیرات و نذر کرنا بھی اللہ کی گستاخی ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝﴾ (احقاف : ۵)

''اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہے؟ کہ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے کہ جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہ دے سکیں گے۔ بلکہ وہ تو ان کی پکار سے بالکل بے خبر ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سب سے بڑا گمراہ اور نافرمان قرار دیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو پکارتا ہے۔

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب وقالوا اتخذ اللہ ولدا...... رقم: ٤٤٨٢.

﴿وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۳۷﴾ (الاحزاب: ۳۷)

''اس وقت کو یاد کرو کہ جب آپ اس شخص کو کہہ رہے تھے جس پر اللہ اور آپ نے احسان کیے تھے کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ، اور اللہ سے ڈر۔ اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے تھے کہ جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور آپ لوگوں سے خوف کھا رہے تھے۔ حالانکہ اللہ اس چیز کا زیادہ حقدار تھا کہ آپ اس سے ڈریں۔ تو جب زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے اسے آپ کے نکاح میں دے دیا۔ تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ اپنی غرض پوری کر لیں۔ اللہ کا یہ حکم تو ہو کر ہی رہنا تھا۔''

اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کا ڈر دل میں رکھنا بھی اللہ تعالیٰ کے ادب و احترام کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ جس ذات سے جس قدر آدمی شرم محسوس کرتا ہے، ڈرتا ہے۔ اور اپنے عیوب کو دیکھ کر اس سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے حقیقت میں یہ ایک قسم کا ادب و احترام ہی ہے جس کی تلقین اس آیت مبارکہ میں کی جا رہی ہے۔

## مایوسی ناامیدی بے ادبی ہے:

اللہ تعالیٰ کی ذات سے ناامیدی بھی اللہ تعالیٰ کی گستاخی شمار ہوتی ہے، جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَا یَایْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۷﴾

(یوسف: ۸۷)

”رحمت الٰہی سے ناامید صرف کفار کی قوم ہوتی ہے۔“

﴿قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿٥٦﴾﴾ (الحجر: ٥٥ـ٥٦)

ان دونوں مقامات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ناامیدی حرام اور ممنوع ہے۔ اس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں واضح کیا ہے۔

((عن سلمان قال قال رسول الله ﷺ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ .)) [1]

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تقدیر کو دعا کے علاوہ کوئی چیز نہیں بدل سکتی، اور عمر میں نیکی کے علاوہ اور کوئی چیز اضافہ نہیں کرسکتی۔“

مومن آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے رب پر مکمل توکل اور بھروسہ رکھے، کیونکہ ناامیدی سے ذات باری تعالیٰ کے بارے میں غلط تفکرات و خیالات پیدا ہونے کا خدشہ ہے جو کہ تباہی کا سبب بن سکتے ہیں۔ لہٰذا خوب دعائیں کریں اور اللہ سے ہی امیدیں رکھیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

((عَنْ ابی هريرة اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوا الدُّعَاءَ .)) [2]

”بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے، پس تم (اس حالت میں) خوب دعا کرو۔“

اس حدیث مبارکہ میں دعا کے قبولیت کے وقت بھی بتا دیے تاکہ بندے اس موقع پر

---

[1] سنن ترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء لایرد القدر الاالدعاء، رقم: ٢١٣٩ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ١٥٤.

[2] صحيح مسلم، كتاب الصلاة، رقم: ٤٨٢.

خوب دعائیں کر کے اپنی ضروریات کو رب سے پورا کروائیں۔ اور مایوسی کا شکار نہ ہوں کیونکہ یہ آداب کے منافی ہے۔

## ناشکری بھی بے ادبی ہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

((عن انس بن مالك ان النبی ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَأْكُلَ الْاُكْلَةَ اَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا .)) [1]

''اللہ تعالیٰ اس بندے پر خوش ہوتا ہے جو کھانا کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے اور کچھ پیتا ہے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے۔''

یہ حدیث مبارک بھی اسی عقیدہ کو مضبوط کرتی ہے کہ احسانات الٰہی کا شمار ناممکن ہے۔ انعامات الٰہی کا ہر حال میں شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ ناشکری بھی گویا کہ اللہ کی گستاخی اور بے ادبی میں شمار ہوتی ہے۔ اور اس پر عذاب کی وعید شدید سنائی گئی ہے۔

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾

(ابراھیم: ۷)

''(اے انسانو!) اگر تم شکر کرو گے تو اللہ کی رحمت مزید جوش میں آئے گی، اور اگر ناشکری کرو گے تو اللہ کا عذاب بڑا ہی شدید ہے۔''

## اللہ پر (توکل) بھروسہ کرنا:

اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل، اعتماد اور بھروسہ کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قسم کے نفع اور نقصان کا مالک اپنے رب کو جانا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اگر نفع پہنچانا چاہتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اس سوچ اور نظریہ کا نام ہے، ''توکل''۔ یہ سوچ اور فکر انسان کو موحد (توحید

---

[1] سنن ترمذی، کتاب الاطعمة، باب ما جاء في الحمد على الطعام، رقم: ۱۸۱٦. البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

پرست ) بنا دیتی ہے۔ اور اللہ کے علاوہ تمام افراد سے اس کو بیگانہ کر دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ انسان آزادی سے بھر پور زندگی گزارتا ہے۔ کیونکہ اللہ کے سوا نہ کسی کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتا ہے۔ اور نہ ہی کسی کے خوف اور ڈر کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے۔ اس وجہ سے یہ شخص مکمل طور پر اللہ کا غلام اور اس کا بندہ بن جاتا ہے۔ اور جو رب کا بندہ بن جاتا ہے۔ وہ دوسروں سے نہیں ڈرا کرتا۔ اور جب ڈر اور خوف نہ ہو تو اس کی زندگی آزادانہ زندگی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو بندوں کی غلامی سے آزاد رکھنا چاہتا ہے۔ اس وجہ سے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ کہ وہ اللہ پر بھروسہ کریں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰﴾ (المجادلة : ۱۰)

”اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔“

کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ضروریات پورا کرنے کے لیے کافی ہے۔ تو پھر دوسروں پر اعتماد کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ دوسروں سے امیدیں کیوں لگائیں۔ بلکہ اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کریں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۹۹﴾

(النحل : ۹۹)

”ایمان والو! اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرنے والو پر اس (شیطان) کا زور نہیں چلتا ہے۔“

غور فرمائیں شیطان ان لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کہ جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۳۸﴾ (الزمر : ۳۸)

''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ یہی جواب دیں کہ اللہ نے آپ ان سے پوچھیے کہ اچھا یہ بتلاؤ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں۔؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے۔ توکل کرنیوالے اسی پر توکل کرتے ہیں۔''

غور فرمائیں! اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک ہے۔ تو پھر ہم اس پر بھروسہ کیوں نہیں کرتے؟ وہی ہماری ضروریات پوری کرے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا . ))[1]

''اگر تم اللہ پر اس طرح بھروسہ کرو جیسا کہ بھروسہ کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح روزی دے جیسے وہ پرندوں کو روزی دیتا ہے۔ وہ صبح بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر واپس پلٹتے ہیں۔''

بالکل اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں یوں بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ③﴾ (الطلاق : ۳)

''اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے کہ جسکا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو اللہ اسے کافی ہوگا۔''

یعنی ہر قسم کی ضروریات اللہ تعالیٰ پوری کردے گا۔ بس شرط اتنی سی ہے کہ بھروسہ اللہ پر رکھو۔ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تمام کام آسان فرما دے گا۔ اسی وجہ سے اللہ کے بندوں نے ہمیشہ اللہ پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ

[1] سنن ترمذی، ابواب الزھد، باب فی التوکل علی الله، رقم: ۲۳۴۴۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

اَذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿١٢﴾ (ابراهيم: ١٢)

''آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں جبکہ اس نے ہمیں ہماری راہیں دکھائی ہیں، اللہ کی قسم! جو تکلیفیں تم ہمیں دو گے ہم ان پر صبر کریں گے۔ توکل کرنے والوں کو یہی لائق کہ وہ اللہ پر توکل کریں۔''

یعنی مومنوں کا کام تو اللہ رب العزت پر بھروسہ کرنا ہی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اللہ کو چھوڑ کر غیروں پر بھروسہ کریں۔ ایسے ہی لوگ کہ جن کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست اور ولی بناتا ہے۔ اور ان کو بغیر حساب کے جنت میں داخل فرماتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾﴾

(آل عمران: ١٥٩)

''اللہ کی رحمت کی وجہ سے آپ ان پر نرم دل ہیں، اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ سو آپ ان سے درگزر کریں ان کے لیے استغفار کریں، اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔ پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے، تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

توکل کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔ بغیر حساب و کتاب جنت میں جائیں گے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((......قِيلَ هَذِهِ أُمَّتُكَ، وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ هَؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ ......... هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ.)) [1]

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الطب، باب من اكتوى او كوى غيره، رقم: ٥٧٠٥.

’’میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب، اور عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ خود جھاڑ پھونک کرتے ہیں، اور نہ کسی اور سے کرواتے ہیں۔ اور نہ بدشگونی لیتے ہیں، اور صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔‘‘

یعنی نفع اور نقصان کی امید اللہ کے علاوہ دوسرے کسی فرد و بشر سے نہیں ہے۔ چاہے وہ فرد و بشر کوئی بھی ہو۔ نیک ہو، بد ہو، اچھا ہو، بُرا ہو، بت ہوں یا پتھر ہوں۔ پیر ہو، پیغمبر ہو کوئی بھی ہو۔ اللہ کے علاوہ کسی پر بھی نفع اور نقصان پہنچانے کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ بس ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں کہ جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صرف اور صرف اپنے اوپر ہی توکل و بھروسہ کرنے کی توفیق عطاء فرمائے کیونکہ یہ کامیابی اور آزادی کا راز ہے۔

## اللہ تعالیٰ کا شکر:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمانے کے بعد بے پناہ انعامات واحسانات سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں اس قدر ہیں کہ ان نعمتوں کو شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان بے تحاشہ و بے حساب انعامات کا تقاضہ ہے کہ اس کا ہر حال میں شکر بجالائیں۔ اس بات کا رب تعالیٰ نے ہمیں حکم بھی فرمایا ہے۔ اور یہ ہمارا اخلاقی فریضہ بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸﴾

(النحل: ۱۸)

’’اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کرسکو گے۔‘‘

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۷﴾

(لقمان: ۲۷)

"زمین کے جتنے بھی درخت ہیں قلمیں بن جائیں، اور سمندر سیاہی بن جائے، اور اس کے بعد سات سمندر اور بھی ہوں تو بھی اللہ کے کلمات (احسانات) ختم نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

ان نعمتوں کا حق یہ ہے کہ ان کا شکر ادا کیا جائے، اور نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ ان کو اس طرح استعمال کیا جائے، جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتا ہے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اور زیادہ احسانات فرمائے گا، اور ان نعمتوں میں مزید برکت عطاء فرمائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝﴾ (ابراھیم: ۷)

"اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ کروں گا، اور اگر تم نے کفر کیا تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔"

اس آیت سے معلو ہوا کہ شکر کرنے میں ہی فائدہ ہے۔ اس بات کو آپ ﷺ نے اس انداز میں بیان فرمایا ہے۔

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ.))[1]

"مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے اس کے ہر معاملے میں خیر ہے۔ اور یہ سعادت صرف مومن کے نصیب میں ہے۔ جب اسے کوئی خوشی نصیب ہوتی ہے اور وہ شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔"

یعنی شکر کرنے میں ہی فائدہ ہے۔ یہی بہتر ہے، اور شکر ہی ایمان کی علامت ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَلْإِيْمَانُ نِصْفَانِ فَنِصْفٌ فِي الصَّبْرِ وَ نِصْفٌ فِي الشُّكْرِ.))[2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزھد، رقم: ۲۹۹۹.

[2] شعب الایمان، للبیهقی: ۱۲۳/۷، رقم: ۹۷۱۵.

''ایمان کے دو حصے ہیں، آدھا صبر میں اور بقیہ آدھا شکر میں ہے۔''

اس وجہ سے شکر گزاری ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شکر گزاری کا ہی حکم دیا ہے۔

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾﴾ (البقرہ: ۱۵۲)

''پس تم مجھے یاد کرو اور میں تمہیں یاد کروں گا، اور شکر کرو میرے لیے اور نہ کفر کرو۔''

کیونکہ کفر اور ناشکری کا راستہ عذاب الٰہی کا سبب ہے۔ اس وجہ سے لازم ہے کہ ناشکری سے بچا جائے اور شکر گزاری کا راستہ اپنایا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾﴾ (النساء: ۱٤۷)

''اللہ تو بندوں کے اعمال کی قدر کرتا ہے، ان کو قبول فرماتا ہے، لیکن کوئی نیکی کی طرف آئے تو سہی۔''

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکر گزاری حقیقت میں اللہ کے دین پر عمل کرنا ہے۔ صرف زبانی کلامی شکر کا اظہار کافی نہیں ہے۔ بلکہ اپنے کردار سے بھی ثابت کرنا پڑے گا۔ کہ واقعتاً ہم شکر گزار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ کردار اور عمل کی صورت میں ہوتا تھا۔ امام الانبیاء ﷺ خوشی کے موقع پر سجدہ شکر ادا فرمایا کرتے تھے۔

((إِذَا جَاءَهُ أَمْرٌ سُرُورٌ ...... أَوْ يُسَرُّ بِهِ ...... خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلّٰهِ تَعَالٰى .)) [1]

''آپ ﷺ کو جب کوئی خوشخبری موصول ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر جایا کرتے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکر گزاری یہ ہے کہ رب کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیا جائے جس طرح رب چاہتا ہے۔ ویسی ہی زندگی گزاری جائے۔ محض زبانی دعوے کافی نہیں

---

[1] صحیح سنن ابوداؤد، کتاب الجهاد، رقم: ۲۷۷٤۔ سنن ترمذی، ابواب السیر، رقم: ۱۵۷۸.

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں کا شکریہ ادا کیا جائے اگر کسی نے نیکی کی ہے تو اس کی نیکی کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

((عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ "مَنْ لَا يَشْكُرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرِ اللّٰهِ .)) [1]

"سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔"

غور فرمائیں کہ لوگوں کا شکریہ ادا کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ہمارے ساتھ نیکی کرتا ہے تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کے احسان مند بنیں نا کہ احسان فراموش۔ کیونکہ اس میں رب کا شکر ادا کرنا ہے۔ اور اللہ کا شکر ادا کرنے والے ہی کامیاب و کامران ہوا کرتے ہیں۔ اور ناشکرے ہمیشہ ہی نامراد اور ناکام ہوا کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَ جَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸﴾

(الزمر: ۸)

"انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچی تو وہ خوب گڑ گڑ کرا اپنے رب کو پکارتا ہے۔ پھر جب اللہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا اسے بالکل بھول جاتا ہے۔ اور اللہ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے اوروں کو بھی اس کے راہ سے بہکاتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اٹھالے، آخر تو دوزخی ہوگا۔"

یہ جہنم کا عذاب محض ناشکری کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بُرے وصف سے بچائے۔ اور شکر ادا کرنے کے حقیقی جذبات ہمارے اندر پیدا فرمائے۔

---

[1] سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ۱۹۵۴۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ۴۱۷.

## توبہ و استغفار کرنا:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاريات: ٥٦)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو بس اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

لیکن اس عبادت میں انسان کو مجبور نہیں کیا گیا۔ بلکہ کلی طور پر انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے عبادت کرے یا نہ کرے، یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③﴾ (الدهر: ٣)

''ہم نے انسان کو راہ دکھائی۔ اب چاہے شکر گزار بنے یا ناشکرا بنے۔''

یعنی جس بھی راستے کو اپنانا چاہتا ہے ہم اسی راستے پر چلنے کی اس کو توفیق دے دیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی طے ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦﴾

(الزمر: ٧)

''اگر تم ناشکری کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم سب سے بے نیاز ہے، اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش نہیں۔ اور اگر تم شکر کرو تو وہ اس کی وجہ سے خوش ہو گا۔''

یعنی اللہ کے احکامات سے بغاوت اللہ کو پسند نہیں ہے۔ بلکہ پسندیدہ امر شکر گزاری اللہ کی عبادت ہے۔ اب جب انسان ناشکری اور گناہوں کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو غصہ آ جاتا ہے۔ اگر یہ انسان گناہوں سے باز آ جائے تو ٹھیک، ورنہ تباہ و برباد کر دیا

جاتا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾ ﴾

(العنکبوت: ٤٠)

''ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی وجہ سے گرفتار کر لیا۔ ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کی بارش کی، اور بعض کو سخت آواز سے پکڑ لیا۔ اور ان میں سے بعض کو زمین میں ہم نے دھنسا دیا۔ اور بعض کو پانی میں غرق کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا کرتے ہیں۔''

یہ ظلم گناہوں کی زندگی گزارنا تھا۔ جس کے نتیجہ میں بدترین عذابوں کے ساتھ صفحہ ہستی سے مٹا دیے گئے۔ لہٰذا گناہوں سے بچنا ضروری ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچا جا سکے۔ لیکن یہ انسان ہے کہ بہت جلد بھول جاتا ہے۔ اور جلد باز بھی ہے، جلد بازی کی وجہ سے اکثر اوقات غلطی کر جاتا ہے۔ گناہ اس سے ہوتے رہتے ہیں۔ ان گناہوں کی نحوست سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ سے فی الفور اپنے گناہ کی معافی مانگی جائے۔ معافی کے آداب میں یہ بھی ہے کہ گناہ کا اقرار کیا جائے۔ گناہ پر شرمندگی ہو۔ خالص دل سے گناہ چھوڑنے کا عزم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾ ﴾ (الأعراف: ٢٣)

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے۔ اور اگر تو ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور بالضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

اس آیت میں آدم علیہ السلام کے گناہ کا اقرار کرنے کا ذکر ہے۔

((عن عبداللہ بن معقل بن مقرن قال: دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ عَلٰی عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ: اَنْتَ سَمِعْتَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ؟ قَالَ: نَعَمْ ۔ وَقَالَ مَرَّۃً: سَمِعْتَہُ یَقُوْلُ: اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ ۔ ))[1]

''عبداللہ بن معقل بن مقرن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ تو انہوں (میرے باپ) نے کہا: کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ندامت (گناہ پر شرمندگی) توبہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں ۔ اور ایک مرتبہ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ندامت توبہ ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ پر شرمندگی ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ خالص توبہ۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۸ ﴾ (التحریم: ۸)

''اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو ممکن ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے، اور تمہیں ایسی جنتوں میں پہنچائے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جس دن اللہ نبی کو، اور ایمان داروں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا، ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔ یہ دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب! ہمیں ضیا عطا فرما، اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

[1] مسند احمد ۳۷۶/۱۔ حاکم، ذہبی اور بوصیری نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔ مصباح الزجاجۃ، رقم: ۱۵۲۱۔

ان دلائل سے توبہ کے آداب واضح ہوتے ہیں۔ ان آداب کا خیال کر کے اگر سچے دل سے معافی مانگی جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فی الفور اپنے بندے کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾﴾ (النساء: ١١٠)

''جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے۔ پھر اللہ سے استغفار کرے، تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربانی کرنے والا پائے گا۔''

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢٥﴾﴾ (الشوریٰ: ٢٥)

''اللہ وہی تو ہے کہ جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور ان کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے۔''

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ انسان جب گناہ کرنے کے بعد اپنے رب سے معافی مانگتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فوراً اپنے گناہگار بندے کو معاف فرما دیتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندے کا انتظار فرماتا ہے کہ کب بندہ اپنی زبان سے توبہ کے کلمات نکالے اور میں اس کو معاف کر دوں۔

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِاللَّيْلِ ، لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ ، وَيَبْسُطُ يَدَهٗ بِالنَّهَارِ ، لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ ، حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا .)) [1]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ رات کو ہاتھ دراز کرتا ہے تاکہ دن کو برائی کا ارتکاب کرنے والا توبہ کر لے، اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے۔ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک توبہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب غيرة الله تعالى، رقم: ٢٧٥٩.

کا دروازہ کھلا ہے۔''

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت کا ذکر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود معاف کرنے کے لیے تیار ہے۔کوئی معافی مانگے تو سہی۔ اللہ تو معاف کرنا چاہتا ہے، اور اپنے اسی گنہگار بندے کو جنت دینا چاہتا ہے۔ اس بات کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے ایک واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ: أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ أَتَتْ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ ، وَهِيَ حُبْلٰى مِنَ الزِّنٰى ، فَقَالَتْ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ ، أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ ، فَدَعَا نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ وَلِيَّهَا ، فَقَالَ: "أَحْسِنْ إِلَيْهَا ، فَإِذَا وَضَعَتْ فَأْتِنِي بِهَا" فَفَعَلَ فَأَمَرَ بِهَا نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ ، فَشُكَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا ، ثُمَّ أَمَرَبِهَا فَرُجِمَتْ ، ثُمَّ صَلّٰى عَلَيْهَا ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: تُصَلِّي عَلَيْهَا؟ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ؟ وَقَدْ زَنَتْ؟ فَقَالَ: "لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ وَهَلْ وَجَدْتَ تَوْبَةً أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ تَعَالٰى . )) [1]

'' جہینہ قبیلے کی ایک عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ ارتکاب زنا سے حاملہ تھی۔ اس نے کہا ''یا رسول اللہ! مجھ سے حد والے گناہ کا ارتکاب ہو گیا ہے۔ آپ مجھ پر حد قائم فرما دیجئے۔'' آپ ﷺ نے اس کے وارث کو بلایا اور فرمایا، اس کو اچھے طریقے سے اپنے پاس رکھو۔ جب یہ بچہ جن لے تو اس کو لے آنا۔'' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بچہ جننے کے بعد اسے رجم کر دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ''کیا آپ بدکاری کرنے والی عورت پر نماز جنازہ پڑھائیں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے اہل مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کر

[1] صحيح مسلم، كتاب الحدود، رقم: ١٦٩٦.

دیا جائے تو ان کو بھی معافی مل جائے۔ کیا اس سے بھی افضل کوئی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس نے اپنی جان تک قربان کر دی۔''

غور فرمائیں! کہ اس عورت کی توبہ کو کیا شرف قبولیت بخشا گیا ہے۔ کہ مدینہ کے ستر آدمیوں پر بھی اگر اس کی توبہ کو تقسیم کر دیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ سب کو معاف کر کے اپنی جنتوں میں داخل فرما دے۔ اس سے توبہ کی فضیلت و مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول مکرم ﷺ بڑی کثرت کے ساتھ توبہ اور استغفار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّـهُ لَيُغَـانُ عَـلَـى قَـلْبِيْ ، وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ . ))[1]

''میرے دل پر کہیں زنگ نہ آ جائے، میں ایک دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔''

توبہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب رکھتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾﴾ (البقرہ: ۲۲۲)

''بلاشبہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک وصاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرے وہ انسان تو بڑا ہی عظیم انسان ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے گناہوں کی کثرت کے ساتھ اپنے رب سے معافی مانگا کریں۔ کیونکہ اسی میں فلاح و کامیابی ہے۔ بصورت دیگر گناہ انسان کو لے ڈوبتے ہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن بنا دیتے ہیں۔ اس چیز کو رسول مکرم ﷺ نے اپنی حدیث میں واضح فرمایا ہے۔

((اِنَّ الْـمُـؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةً سَوْدَاءَ فِي قَلْبِهِ ، فَاِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ . ))[2]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب انسان گناہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، رقم: ۲۷۰۲.

[2] سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الذنوب، رقم: ٤٢٤٤. البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ و استغفار کر لے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔''

لیکن اگر توبہ نہ کرے تو سارے کا سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفر و نفاق کی مہر لگ جاتی ہے۔ پھر ایسے دل کو کوئی اچھی بات اچھی نہیں لگتی اور نہ ہی بُری بات سے کوئی نفرت ہوتی ہے۔ کیونکہ گناہوں کی وجہ سے ضمیر مردہ ہو جاتے ہیں۔ اور ضمیر کا مردہ ہو جانا ہی انسان کی حقیقی تباہی ہے۔ اس تباہی اور بربادی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ کثرت کے ساتھ توبہ و استغفار کیا کریں۔

## دُعائے استغفار:

((اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمَ وَأَتُوْبُ اِلَیْهِ .)) [1]



[1] سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، رقم: ۱۵۱۷۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

باب نمبر:2

# رسول اللہ ﷺ کا ادب

رسول اللہ ﷺ کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو ہر وہ خوبی عطاء کی گئی جو کسی بھی بہترین انسان میں ہوسکتی ہے۔ مثلاً جمال (خوبصورتی) وکمال، ایثار و ہمدردی، غمخواری وشفقت، صبر و رضا، یہ وہ اوصاف ہیں جو کسی بھی انسان کو عظیم سے عظیم تر بنا دیتے ہیں۔ یہ تمام کے تمام اوصاف نبی کریم ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ چنانچہ کوئی شاعر انہی صفات عظیمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کہ جو صفات اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو عطاء کی تھیں وہ ساری کی ساری ہمارے رسول مدنی ﷺ کو عطاء کی گئی تھیں۔ شاعر کی یہ بات مبالغہ آرائی پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت کی عین عکاسی ہے۔ اگر ہم قرآن و حدیث کا مطالعہ کریں تو یہ بات ہم پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ جتنی امتیازی صفات دوسرے انبیاء اکرام علیہم السلام میں موجود تھیں وہ ساری کی ساری صفات ہمارے رسول کریم ﷺ میں جمع کر دی گئیں تھیں۔

ایسا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کے دلوں میں رسول کریم ﷺ کی عقیدت و محبت اور ادب و احترام زیادہ سے زیادہ پیدا کر دیا جائے کیونکہ لوگ حسین وجمیل چیزوں سے محبت بہت زیادہ کرتے ہیں۔ یہ انسانی طبع ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو حسن بھی خوب دیا گیا۔ تا کہ لوگ آپ ﷺ سے محبت کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو اخلاق حسنہ اور فاضلہ سے بھی مرقع کیا گیا۔ تا کہ صاحبِ عقل و خرد بھی آپ ﷺ سے انتہائی محبت اور

عقیدت و احترام کا اظہار کریں، اور اس کے لیے مجبور ہو جائیں کیونکہ عقل اخلاق حسنہ اور فاضلہ سے متصف لوگوں سے محبت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ جیسا کہ لوگ حاتم طائی سے محبت کرتے ہیں اس کی سخاوت کی وجہ سے۔ نوشیروان عادل کا نام لیتے ہیں عقیدت و احترام سے۔ کیونکہ وہ عادل حکمران تھا۔ یہ اخلاقی خوبیاں محبت کے لیے مجبور کر دیا کرتی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

((عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ قَالَ بَيْنَا أَنَا أُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ: وَا ثُكْلَ أُمِّيَاهْ! مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ؟ فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلٰى أَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي لٰكِنِّي سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي! مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي قَالَ: "إِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَائَةُ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ . ))[1]

''سیدنا معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں ایک شخص کو چھینک آئی۔ میں نے (حسبِ دستور) ''يرحمك الله'' کہا۔ لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا، ''میری ماں مجھ پر روئے تم لوگ کیوں مجھے گھور رہے ہو؟''۔ لوگوں نے اپنے ہاتھ رانوں پر مارے جب میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر تعلیم دینے والا نہ

[1] صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، رقم: ٥٣٧.

آپ ﷺ سے پہلے کبھی دیکھا، اور نہ آپ ﷺ کے بعد۔ اللہ کی قسم! نہ آپ ﷺ نے مجھے دھمکایا، نہ مارا اور نہ بُرا بھلا کہا۔ بلکہ فرمایا۔ بے شک نماز میں لوگوں سے گفتگو جائز نہیں۔ نماز تو بس تسبیح، تکبیر اور قرأۃ قرآن کے لیے ہے۔''

اس واقعہ سے آپ ﷺ کے بلند اخلاق کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غلطی کرنے والے کو کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہے بلکہ انتہائی پیار و محبت سے سمجھا دیا۔ جس سے آپ ﷺ کا اخلاق حسنہ واضح ہے۔ چنانچہ یہ صفات حمیدہ بھی رسول اللہ ﷺ کے اندر بدرجہ اتم موجود ہیں ۔ یہ ساری کی ساری صفات آپ ﷺ میں پیدا ہی اس لیے کی گئی تاکہ لوگ آپ ﷺ کا ادب و احترام کریں، اور کوئی ایسی حرکت اور کیفیت و انداز اپنانے کی کوشش نہ کریں کہ جو رسول ﷺ کے آداب کے منافی ہو۔ اس لیے کہ جب تک کسی بھی ذات کا ادب و احترام پیدا نہ ہوگا اس کی بات کو اہمیت و حیثیت نہ دی جائے گی، اور جب کوئی اہمیت و حیثیت نہ دی جائے گی تو اس کی بات مانی بھی نہ جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کی بات کو نہ ماننے والا تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس تباہی اور بربادی سے بچانے کے لیے جس قدر زور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں رسول اللہ ﷺ کے ادب و احترام پر دیا ہے۔ اس قدر زور کسی بھی شخصیت کے ادب و احترام پر نہیں دیا گیا۔ اور ہر ایسی حرکت سے روک دیا گیا ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کے آداب کے منافی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝١﴾ (الحجرات : ١)

''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو، اور اللہ سے ڈر جاؤ۔ اللہ خوب سننے اور جاننے والا ہے''۔

غور فرمائیں کہ اس آیت میں آپ ﷺ کا یہ ادب بیان فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ سے کسی بھی طرح آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرنی ۔ نہ گفتگو میں اور نہ ہی اعمال اور کردار

میں۔ یعنی جب تک رسول اللہ ﷺ کسی معاملہ میں گفتگو نہ فرمائیں تو تمہیں بھی اس معاملہ میں گفتگو کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ تم پر لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہمیشہ خاموش رہا کرو۔ کیونکہ رسول ﷺ کی موجودگی میں تمہارا بولنا آدابِ رسول ﷺ کے خلاف ہے۔

اب ایسے لوگوں کو اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہیے۔ کہ جو حدیث رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے بھی دوسروں کے قول و فعل کو پیش کرتے ہوں یعنی حدیث رسول ﷺ پر دوسروں کے قول و فعل کو اہمیت دینے کی کوشش کرتے ہوں۔ یہ صورت بھی رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھنے کی ایک کوشش ہے کہ جس کو کسی بھی طرح جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے ادب و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کی کوئی حدیث آجائے اس کے سامنے اپنی گردن کو جھکا دینا چاہئے۔ اور اس حدیث کی موجودگی میں اپنے خیالات و آراء سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ یہی مومنوں کا شیوہ و کردار ہے۔ اسی میں ہی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾﴾ (النور: ٥١)

”جب مومنوں کو اللہ اور اس کے رسول (کے فرامین) کی طرف بلایا جائے تو وہ تو بس یہی کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا۔ اور ہم نے اطاعت کی۔ یہی لوگ ہی تو کامیاب ہیں۔“

مذکورہ انداز کامیاب مومنوں کا ہے کہ ہم آپ ﷺ کی بات کو سنتے ہیں، اور سنتے ہی گردن جھکا دیتے ہیں۔ اس کے برعکس بدبخت ہیں وہ لوگ جو آپ ﷺ کے فرامین کو کوئی اہمیت نہ دیں۔ بلکہ دوسروں کی باتوں پر اعتماد کریں۔ اور انہی کے مطابق زندگی گزارنے کو اپنا نصب العین قرار دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى قِيْلَ: وَمَنْ يَأْبٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبٰى.)) [1]

''کہ میری ساری کی ساری امت جنت میں داخل ہو جائے گی سوائے ان لوگوں کے کہ جنہوں نے جنت میں جانے سے انکار کر دیا گیا۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول کون ہیں؟ کہ جو جنت میں جانے سے انکاری ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جانا چاہتا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے انکار کیا۔''

کیونکہ وہ میرے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرتا ہے اور میری سکھائی ہوئی شریعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتا ہے اس کا یہ عمل و کردار ہی رہتا ہے کہ اس کو جنت کی تڑپ وطلب اور شوق ہے کہ وہ اس سہارے جہنم سے بچ جائے اور جنت اس کا ٹھکانہ بنے۔ اور جس نے میری نافرمانی کی وہ جنت میں جانے سے انکاری ہے۔ اس کا انکار کر دینا میری سیرت و کردار کو نہ اپنانا اور شریعت کو کوئی حیثیت نہ دینا ہی اس کا بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس میں جنت کی کوئی طلب وتڑپ اور شوق نہیں اس کے نزدیک جنت کی کوئی اہمیت نہیں۔ تو گویا آپ ﷺ کی اتباع کامیابی ہے۔ اور آپ ﷺ کی نافرمانی ناکامی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع کی جائے آپ ﷺ کی بات کو مانا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝٧﴾ (الحشر: ۷)

''کہ جو رسول تم کو دے دے اس کو لے لو، اور جس سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈر جاؤ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، رقم: ۷۲۸۰.

اس آیت نے بھی ہمیں اس بات کا پابند کیا ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ دیں اس کو لے لو، اور جس سے روک دیں اس سے رکنا لازم ہے۔ اس حکم کا ہر مسلمان پابند ہے۔ اس کے علاوہ کسی فرد و بشر کے حکم کا کوئی مسلمان پابند نہیں ہے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ آپ ﷺ کی مکمل اتباع کی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہی حقیقی ادب و احترام ہے۔ نہ کہ خود ساختہ ادب و احترام کہ جن کو لوگوں نے خود اپنی طرف سے بنا رکھا ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کو بشریت سے نکال کر نورانیت میں داخل کرنے کی کوشش کرنا۔ آپ ﷺ کو مختار کل باور کرانا۔ آپ ﷺ کو عالم الغیب تصور کرنا وغیرہ وغیرہ۔

یہ وہ چیزیں ہیں جو کہ قرآن و حدیث کی صریح نصوص کے خلاف ہیں لیکن اس کے باوجود بھی یہ اصرار ہوتا ہے۔ کہ جی ان کو ماننا ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر یہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی ہوگی۔ یاد رکھئے گا۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت اور عقیدت و احترام کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ گستاخیاں کیا ہیں؟ ادب و احترام کے منافی امور کیا ہیں؟ ان چیزوں کا تعین کرنا کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ اس چیز کو جاننے کے لیے بھی ہمیں قرآن و حدیث کے دلائل کی طرف آنا ہوگا۔ جس چیز کو قرآن و حدیث گستاخی اور ادب و احترام کے منافی قرار دیں۔ اس سے اپنے آپ کو بچانا لازم ہے۔ لیکن جس چیز کو قرآن و حدیث گستاخی قرار نہ دیتے ہوں اس چیز کو گستاخی قرار دینا، یہ عمل بذاتِ خود ایک بہت بڑی گستاخی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی جسارت ہے۔ جو کہ بدترین گستاخی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی مذکورہ آیت سے واضح ہے۔

آپ ﷺ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کا نام لے کر بلانے کی کوشش نہ کرنی چاہیے، بلکہ آپ ﷺ کا کوئی صفاتی نام مثلاً رسول اللہ ﷺ کہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُم بَعْضًا﴾

(النور: ٦٣)

''(صحابہ کرام سے کہا جارہا ہے) کہ تم رسول کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے کی طرح نہ بلایا کرو۔''

یعنی اے محمد کہنا۔ بلکہ جب آپ ﷺ کو بلانا مقصود ہو تو یا رسول اللہ! یا نبی اللہ! کہہ کر بلایا کرو۔ یعنی آپ ﷺ کا نام لے کر جیسا کہ عام لوگوں کو بلایا جاتا ہے، اس طرح بلانا رسول اللہ ﷺ کے آداب کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

(الحجرات: ٢ تا ٤)

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ ہی اونچی آواز سے بات کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں (ایسا نہ ہو) کہ تمھارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمھیں معلوم بھی نہ ہو۔ بلاشبہ وہ لوگ جو آپ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیز گاری کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ انھی کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ بلاشبہ جو لوگ آپ کو حجروں (کمروں) کے پیچھے سے آواز دے رہے تھے ان میں سے اکثر (بالکل) بے عقل تھے۔''

ان آیات کے معنی و مفہوم پر غور فرمائیں کہ صرف خالی آپ ﷺ کا نام بھی نہیں لینا چاہیے بلکہ نام کے ساتھ کوئی صفت لگانی چاہیے، مثلاً محمد الرسول اللہ ﷺ محمد نبی اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کو زیادہ اونچی آواز سے متوجہ کرنا بھی آداب کے منافی ہے۔ بلکہ ادب کا

تقاضہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے آواز کو پست رکھا جائے۔ اب چونکہ رسول اللہ ﷺ ہم میں موجود نہیں ہیں اب ان آیات کے مقتضاء پر اس طرح عمل ہوسکتا ہے کہ ہم حدیث رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیں۔ نیز جہاں قرآن وحدیث کی بات ہو رہی ہو اس کو توجہ سے سنیں اور خاموش رہیں۔ کیونکہ حدیث رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ ہی کے فرامین ہیں اور کسی کے فرامین کو اہمیت دینا اس شخص کو اہمیت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ لٰہذا اس صورت میں ہم مذکورہ آیت کے مقتضاء پر عمل کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ سے محبت ہر چیز سے زیادہ اور بڑھ کر ہونی چاہیے کوئی بھی ذات ایسی نہیں ہونی چاہیے کہ جس کی محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بڑھ کر ہو۔ اگر ایسا ہوگا تو یہ آداب اور ایمان کے منافی ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ.)) [1]

”جس میں یہ تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت ومٹھاس پائے گا۔

۱......: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں۔

۲......: کسی آدمی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کرتا ہو۔

۳......: کفر سے نجات پانے کے بعد اس میں واپسی اتنی ہی ناپسند ہو جتنا آگ میں گرنا۔“

غور فرمائیں کہ آپ ﷺ کی محبت ہر چیز سے بڑھ کر ہونی چاہیے۔ یہی ایمان ہے۔ لیکن اگر اس محبت میں کمی آ گئی اور دوسروں کی محبت زیادہ ہوگی تو یہ دنیا وآخرت میں بربادی

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوة الایمان، رقم: ١٦.

کا سبب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝٢٤﴾ (التوبہ: ٢٤)

"(اے نبی! آپ مسلمانوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی، اپنی بیویاں، اپنے کنبے و قبیلے والے، اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں، اور تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو، اور تمہارے مکان جو تمہیں پسند ہیں، اللہ، اس کے رسول، اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اس آیت میں ان تمام افراد کا ذکر کیا گیا ہے کہ جن سے محبت ایک انسان کو طبعی طور پر ہوتی ہے۔ پھر اس محبت کی نفی نہیں کی گئی بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ ان کی محبت رسول اللہ ﷺ کی محبت پر غالب نہیں آنی چاہیے۔ اگر غالب آگئی تو پھر اللہ کے عذاب کا انتظار کرو کہ کب وہ تمھیں اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ یعنی اگر رسول اللہ ﷺ کی محبت سے بڑھ کر کسی اور سے محبت ہوگی تو پھر دنیا اور آخرت میں بربادی مقدر ہوگی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت ہر چیز سے بڑھ کر ہو۔ یہی آداب وایمان ہے، اور یہی کامیابی ہے۔ اسی لیے شریعت نے ایسے احکامات صادر فرمائے ہیں کہ جن سے آپ ﷺ کی محبت زیادہ اور عقیدت و احترام میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ

وَاحِدَةً صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا . ))❶

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے، اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔''

((حَدِيْثُ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ مَرْفُوْعًا: ''إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَايَقُوْلُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوْا لِيَ الْوَسِيْلَةَ...... .''))❷

''سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مؤذن کو (اذان کہتے ہوئے) سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ (مؤذن) کہتا ہے، پھر مجھ پر درود پڑھو، اس لیے کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر تم اللہ سے میرے لیے وسیلے کا سوال کرو۔''

غور فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دل میں تازہ رہے، اور جو ایسا نہ کر سکے اس کو انتہائی بُرا انسان قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عن حسين بن على بن ابى طالب قال: قال رسول الله ﷺ: ''اَلْبَخِيْلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ''. ))❸

''سیدنا حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الصلاة ،باب ماجاء فى فضل الصلاة على النبى ﷺ، رقم: ٤٠٨.

❷ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، رقم: ٣٨٤.

❸ سنن ترمذى، كتاب الدعوات باب قول رسول الله ﷺ رغم انف رجل، رقم: ٣٥٤٦۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔ مسند احمد، ١/٢٠١.

درود نہ پڑھے)''۔

اس کو کنجوس اس وجہ سے قرار دیا گیا ہے کہ یہ درود نہیں پڑھتا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کے دل میں آپ ﷺ کی یاد اس طرح نہیں ہوگی جس طرح کہ درود پڑھنے والے کے دل میں ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ محبت کی کمی کی شکل میں ہے۔ اسی وجہ سے اس کو کنجوس کہا گیا ہے۔ لہٰذا اس کنجوسی سے بچنا ضروری ہے۔ تا کہ آپ ﷺ کی محبت دل میں پیدا ہوا اور عقیدت و محبت کے جذبات کو ایک نیا جوش، ولولہ اور پھلنے پھولنے کا راستہ ملے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی چاہت بھی بندوں سے اپنے رسول ﷺ کے متعلق ایسے ہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿٨﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿٩﴾ ﴾ (الفتح: ٨، ٩)

''بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تا کہ (اے مسلمانو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو۔ اور اس کا ادب کرو۔ اور تم اللہ کی تسبیح صبح و شام بیان کرو۔''

ان آیات میں ہمیں رسول اللہ ﷺ کی مدد اور ان کی عزت و تکریم کا حکم دیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی عزت و تکریم فرض عین ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی تکریم و بزرگی کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتے تھے چنانچہ:

((عَنْ اَبِی اَيُّوبَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَزَلَ عَلَيْهِ فَنَزَلَ النَّبِیُّ ﷺ فِی السُّفْلِ وَاَبُو اَيُّوبَ فِی الْعُلُوِّ قَالَ: فَانْتَبَهَ اَبُو اَيُّوبَ لَيْلَةً فَقَالَ: نَمْشِی فَوْقَ رَاْسِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: فَتَنَحَّوْا فَبَاتُوا فِی جَانِبٍ ثُمَّ قَالَ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ "السُّفْلُ اَرْفَقُ" فَقَالَ: لَا اَعْلُو سَقِيفَةً اَنْتَ تَحْتَهَا فَتَحَوَّلَ النَّبِیُّ ﷺ فِی الْعُلُوِّ وَاَبُو اَيُّوبَ فِی السُّفْلِ.)) [1]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، رقم: ٢٠٥٣.

''رسول اللہ ﷺ جب مدینہ آئے تو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام کیا۔ آپ ﷺ نیچے کی منزل میں رہے، اور ابو ایوب رضی اللہ عنہ اوپر کی منزل میں رہا کرتے تھے۔ ایک رات انہیں خیال آیا کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے سر پر چلتے پھرتے ہیں، یہ خیال آتے ہی وہ ایک کونہ میں ہو گئے اور وہیں رات گزار دی۔ پھر انہوں نے اس کا ذکر آپ ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا نیچے سہولت ہے۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں اس چھت پر نہیں رہ سکتا۔ جس کے نیچے آپ ﷺ ہوں۔ الغرض وہ نیچے آ گئے اور آپ ﷺ اوپر چلے گئے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی رحمت ﷺ کی تعظیم جس طرح کرتے تھے، عروہ بن مسعود ثقفی قریشِ مکہ کے سامنے یوں بیان کرتا ہے:

(( ......أَيْ قَوْمِ وَاللَّهِ! لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوكِ وَوَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَكِسْرَى وَالنَّجَاشِيِّ وَاللَّهِ! إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا ﷺ وَاللَّهِ! إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَهُ . )) [1]

''اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں۔ واللہ! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد کے ساتھی محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ واللہ وہ کھنکار بھی تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا، اور وہ شخص اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا، اور جب وہ حکم دیتے تھے تو اس کی بجا آوری کے

[1] صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد، رقم : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲.

لیے سب دوڑ پڑتے تھے، اور جب وہ وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے وضو کے پانی کے لیے لوگ لڑ پڑیں گے۔ اور جب وہ آپس میں کوئی بات کرتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے، اور فرطِ تعظیم کی بناء پر انہیں بھر پور نظر سے دیکھتے نہ تھے۔''

ان دونوں واقعات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت اور آداب کا اندازہ کیجئے کہ کبھی نظر بھر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ ہی نہ سکے کہ کہیں نظر اٹھانے سے گستاخی کا شبہ تک نہ آجائے۔ لہٰذا اس چیز کی بھر پور کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اپنے افعال واقوال سے کوئی ایسی جسارت نہ کریں کہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم میں کمی بیشی یا گستاخی کا شبہ تک ہو۔ اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کے منافی ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)



باب نمبر:3

# قرآن مجید کا ادب

آداب کسی بھی چیز کی اہمیت کے لیے ضروری ہیں۔ جب تک کہ ادب و احترام نہ ہوگا کسی بھی چیز کی ذات وشخصیت کو اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ: ''ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں''۔

جب تک ادب و احترام نہ ہوگا اس وقت کسی بھی چیز کو کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں دی جا سکتی، اور جب تک کسی چیز کو حیثیت اور اہمیت نہ دیں گے اس وقت تک اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فائدہ کے حصول کے لیے آداب کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ اور خصوصاً ان چیزوں کا کہ جو چیزیں انتہائی مفید ہوں۔ ان کے آداب کا خیال رکھنا تو بہت ہی ضروری ہے۔ انتہائی مفید چیزوں میں سے ایک قرآن حکیم، فرقان حمید بھی ہے۔ یہ ایک ایسی عظیم کتاب ہے کہ جو انسان کو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝٩﴾ (بنی اسرائیل: ۹)

''بلاشبہ یہ قرآن سیدھے ترین راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور ان مومنوں کے لیے خوشخبری ہے کہ جو نیک عمل کرتے ہیں۔ یہ خوشخبری دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ .)) [1]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين......، باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه......، رقم: ۷۱۷.

''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ سے بہت سی قوموں کو رفعت و بلندی عطاء فرماتا ہے، اور بہت سی قوموں کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔''

بقولِ شاعر ؏

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

غور فرمائیں کہ قرآن ترقی اور خوشحالی کی ضامن کتاب ہے۔ تو ایسی عظیم اور مبارک کتاب کے آداب کا لحاظ رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ قرآن کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کی جائے۔ کیونکہ یہ تلاوت بڑی ہی فضیلت کا باعث ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِقْرَءُ وْا الْقُرْآنَ فَاِنَّهُ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَهِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهِ .)) [1]

''کہ تم قرآن کو پڑھا کرو۔ کیونکہ وہ اپنے پڑھنے والے کے لیے سفارشی بنے گا۔''

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفِعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، يَقُوْلَ الصِّيَامُ: اَیْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِی فِيْهِ ، وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِّی فِيْهِ ، قَالَ فَيُشَفَّعَانِ .)) [2]

''روزہ اور قرآن بندے کے حق میں سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: یا اللہ! میں نے اسے (دن کے وقت) کھانے پینے اور شہوات سے روکے رکھا، اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: یا اللہ! میں نے اسے رات کو نیند سے روکے رکھا۔ اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما، چنانچہ دونوں کی

[1] صحیح مسلم، کتاب و باب ایضًا، رقم: ۸۰٤.

[2] مسند احمد ۲/۱۷٤۔ مستدرك حاکم: ۱/٥٥٤۔ امام حاکم فرماتے ہیں: ''یہ حدیث شرط مسلم پر صحیح'' ہے۔

سفارش قبول ہوگی۔"

مذکورہ دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن قیامت کے دن اپنے پڑھنے والی کی سفارش کرے گا۔ لہٰذا قرآن کو خوب پڑھنا چاہیے۔ پڑھنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ قرآن کو آہستہ آہستہ یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴﴾ (المزمل: ٤)

"کہ آپ قرآن کو ترتیل (ٹھہر ٹھہر کر صاف پڑھنا) کے ساتھ پڑھیں۔"

نیز قرآن کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ قرآن کو خوبصورت آواز کے ساتھ بہترین لہجے میں پڑھا جائے، کیونکہ اس سے قرآن کی زینت دوبالا ہو جاتی ہے۔ نیز قاری کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو انتہائی پسند ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ .)) [1]

"اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کے لیے اس طرح کان نہیں لگاتا کہ جس طرح پیغمبر کی قرآن کے ساتھ خوش الحانی کے ساتھ کان لگاتا ہے جو کہ وہ قرآن کو غنا (خوبصورت آواز) کے ساتھ پڑھ رہا ہو۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی قرآن کو خوبصورتی کے ساتھ پڑھنے پر دلالت کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ .)) [2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، رقم: ١٧٩٢۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب ولا تنفع الشفاعۃ...... رقم: ٧٤٨٢.

[2] سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب استحباب الترتیل فی القرأۃ، رقم: ١٤٦٩. البانی رحمہ اللہ نے اسے "حسن صحیح" کہا ہے۔

''کہ جس نے قرآن کو خوبصورت آواز سے نہ پڑھا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

ان احادیث سے خوبصورت آواز میں قرآن کو پڑھنے کی اہمیت اور فضیلت واضح ہو رہی ہے۔ لہٰذا قرآن کو عرب کے لہجے کے مطابق خوبصورت آواز میں پڑھیں۔

قرآن کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا انتہائی فضیلت والا کام ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.)) [1]

''تم میں افضل وہ ہے جو خود قرآن سیکھے، اور دوسروں کو سکھلائے۔''

اس حدیث مبارکہ میں سب سے بہترین انسان اس انسان کو قرار دیا گیا ہے کہ جو قرآن کو سیکھتا اور سکھاتا ہے نہ کہ اس کو کہ جو پڑھتا اور پڑھاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ افضل ترین عمل قرآن کو سمجھ کر پڑھنا ہے، لہٰذا قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ نہ کہ صرف ناظرہ پڑھ لینے پر ہی اکتفاء کر لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو سمجھنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝١٧﴾ (القمر: ١٧)

''بلاشبہ ہم نے قرآن کو آسان بنایا ہے تو کیا کوئی اس کو سمجھنے والا ہے۔''

یہ ارشاد اس سورت کے اندر چار مرتبہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو انتہائی آسان بنایا ہے۔ تم اس کو سمجھنے کی کوشش کرو تو صحیح پھر دیکھنا کہ قرآن سمجھ میں آتا ہے یا نہیں؟ ہماری بات سچی ہے یا تمہاری سوچ وفکر۔ یقیناً قرآن کی بات سچی ہے۔ تو قرآن کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔ یہی قرآن کا سب سے بڑا ادب ہے۔ اور یہی ہماری نجات اور اخروی کامیابی کا ذریعہ وسبب ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے آداب کو سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)



---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن، رقم: ٥٠٢٧.

باب نمبر:4

# علم سیکھنے اور سکھانے کے آداب

اللہ تعالیٰ نے بحیثیت انسان سب کو برابر پیدا کیا ہے۔ کسی بھی انسان کو دوسرے انسان کے اوپر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت والی چیز صرف اور صرف علم اور تقویٰ ہے۔

ایک عربی شاعر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

وما الفضل الا لاهل العلم انهم

علی الهدی لمن استهدی ادلاء

فضیلت تو بس علم والوں کو ہے۔ اس لیے کہ وہ ہدایت پر ہیں، اور جو ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کی رہنمائی کرنے والے ہیں۔ اس وجہ سے اہل علم کو دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس چیز کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝﴾ (الزمر: ۹)

”کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔“

یعنی عقل والے یہ جانتے ہیں کہ علم والے لوگ ہی افضل اور بہتر ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں سب سے زیادہ رکھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾

(فاطر: ۲۸)

”اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ زبردست

خوب بخشنے والا ہے۔“

اس ڈر کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی جس عظیم کتاب کا علم حاصل کیا۔ وہ کتاب انتہائی مؤثر اور زبردست انقلاب پیدا کرنے والی ہے۔ کہ جس نے اپنے سے تعلق جوڑنے والوں میں یہ انقلاب پیدا کیا ہے۔ کہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف اور ڈر بھر دیا ہے۔ یہ اس مبارک کتاب کی عظیم صفات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے۔

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾﴾

(الحشر: ٢١)

”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو آپ دیکھتے کہ وہ خوف الٰہی سے پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔“

غور فرمائیں کہ اگر یہ قرآن پہاڑوں پر بھی نازل کر دیا جاتا تو اس قرآن کا ان پر بھی ضرور اثر ہو۔ لیکن یہ انسان ہے کہ جس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گیا ہے کہ جو اس کے اثر کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔ اس کی وجہ اس کی جہالت ہے جس کی وجہ سے اس کے دل میں قرآن کی کوئی عظمت نہیں رہی۔ اس کی دلیل اس کا لاتعلقی والا رویہ ہے کہ جو اس نے قرآن کے ساتھ اپنا رکھا ہے۔ حالانکہ قرآن سے تعلق جوڑنا اس کے علم کو حاصل کرنا انتہائی مبارک عمل ہے۔ جس کے کرنے والا انتہائی عظیم بن جاتا ہے کہ کائنات کا ایک ذرہ اس علم حاصل کرنے والے کے لیے دعائیں کرتا ہے۔

((عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ! إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ ﷺ لِحَدِيثٍ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ! قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ

يَـقُولُ: مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَ بِهِ طَرِيـقًـا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ، وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ .)) [1]

''کثیر بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے آکر کہا، ابودرداء! میں آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے ایک حدیث سننے کے لیے آیا ہوں، جس کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، میں کسی اور کام و ضرورت کے لیے نہیں آیا: ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو حصول علم کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے تو اللہ عزوجل اس کی وجہ سے اس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلا دیتا ہے۔ اور فرشتے طالب علم کی رضا وخوشنودی کے لیے اس کے قدموں کے نیچے اپنے پَر بچھاتے ہیں، اور بے شک زمین وآسمان کی تمام مخلوق اور پانی میں مچھلیاں عالم کے لیے بخشش کی دعا کرتی ہیں، اور عالم کی عابد پر ایسے فضیلت ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو باقی ستاروں پر۔ اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء نے درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑی، بلکہ ان کی وراثت صرف علم تھا۔ پس جس نے علم حاصل کیا، اس نے ایک وافر حصہ حاصل کر لیا۔''

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، رقم: ٣٦٤١۔ سنن الترمذی، کتاب العلم باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة، رقم: ٢٦٨٢. البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

اس عظمت کی وجہ سے ہی آپ ﷺ ان کے لیے دعائیں کر رہے ہیں۔

((عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: "نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَءً ا سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰی یُبَلِّغَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَیْسَ بِفَقِیْهٍ)) [1]

''زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: آپ ﷺ فرما رہے تھے: اللہ اس آدمی کو خوش و خرم رکھے، جو ہم سے کوئی بات سنے پھر اس کو یاد رکھے، یہاں تک کہ اس کو دوسروں تک پہنچا دے، اس لیے کہ بہت سے لوگ دینی فہم کی بات آگے ایسے لوگوں کو پہنچاتے ہیں جو ان سے دینی فہم و بصیرت میں زیادہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ بہت سارے دینی بات کے علم رکھنے والے لوگ اس میں صحیح طرح سے فہم و بصیرت نہیں رکھتے۔''

''اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو تر و تازہ رکھے۔ ان کے چہروں کو پر رونق بنا دے۔'' یہ دعا دین کے طالب علموں کے لیے ہے۔ کتنے مبارک ہیں وہ لوگ کہ جو دین کا علم حاصل کریں اور اپنی اولادوں کو بھی دین کا طالب علم بنائیں۔ جن کے لیے رسول مکرم ﷺ دعا کر رہے ہیں۔ یہ لوگ بے مثال ہیں۔ قابل رشک ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک دوسرا ارشاد گرامی ہے:

((حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا بلفظ "لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰہُ مَالًا فَسَلَّطَ عَلٰی هَلَکَتِهِ فِی الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰہُ الْحِکْمَةَ فَهُوَ یَقْضِی بِهَا وَیُعَلِّمُهَا)) [2]

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسد (رشک) صرف دو باتوں میں جائز ہے ایک تو اس شخص کے بارے میں جسے اللہ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم ۳۶۶۰۔ سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الحث علی تبلغ العلم، رقم: ۲۶۵۶۔ مسند احمد ۱/ ۴۳۶. البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمة، رقم: ۷۳.

تعالیٰ نے دولت دی ہو، اور وہ اس دولت کو راہِ حق میں خرچ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہو۔ اور ایک اس شخص کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی عطا کی ہو، اور وہ اس کے ذریعے لوگوں کے فیصلے کرتا ہو، اور اس (حکمت) کی تعلیم دیتا ہو۔"

کیونکہ یہ لوگ جنت کے مسافر ہیں، چلتے زمین پر ہیں پاؤں جنت میں رکھ رہے ہوتے ہیں۔

((حدیث ابی الدرداء رضی اللہ عنہ مرفوعا: "مَـنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْـهِ عِـلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ ، وَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتِهَا رِضًا لِطَالِبْ الْعِلْمِ . )) [1]

"ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔ اور بے شک فرشتے طالب علم کے طلبِ علم کی وجہ سے خوش ہو کر اس کے پاؤں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں۔"

اس حدیث نے واضح کیا ہے کہ طالب علم جنتی مسافر ہیں۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ علم و علماء کے ساتھ تعلق جوڑیں اور حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ تا کہ جنت کے مستحق بن سکیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ (رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا)

## نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے آداب:

کسی بھی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرے کے لوگ اچھی اور بُری چیز میں تمیز کر سکتے ہوں۔ جب اچھی اور بُری چیز میں تمیز کر سکتے ہوں تو پھر یہ بھی لازم ہے کہ اچھی چیز کا حکم اور بُری چیز سے روکیں۔ تا کہ معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ بصورت دیگر معاشرے کا امن وسکون برباد ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] سنن ابی داوٗد، کتاب العلم، باب فی الحث علی طلب العلم، رقم: ٣٦٤١۔ سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة، رقم: ٢٦٨٢. البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھی بات کا حکم دینے اور بُری باتوں سے روکنے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾﴾ (آل عمران : ۱۰۴)

''چاہیے کہ تم سے ایک جماعت بھلائی کی طرف بلاتی رہے، اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ اور یہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے۔''

یعنی کامیابی ان لوگوں کے لیے ہے کہ جو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ لیکن جو لوگ بُرائی سے مصالحت کر لیں یعنی جو برائی کرتا ہے تو کرے ہمیں اس سے کیا۔ جیسا کہ آج ہمارے معاشرے کی عمومیت کا حال ہے ایسے لوگ بھی فلاح نہیں پایا کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾﴾

(الاعراف : ۱۶۵)

''پھر جب وہ بھول گئے جو انہیں سمجھائی گئی تھی (تو پھر) جو برائی سے روکتے تھے ہم نے ان لوگوں کو بچالیا۔ جنھوں نے ظلم کیا ہم نے انہیں پکڑ لیا برے عذاب میں کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔''

یہ عذاب محض اس وجہ سے ہے کہ لوگ برائیاں کرتے تھے، اور معاشرہ برائیوں سے لبریز تھا لیکن ان لوگوں میں سے کچھ لوگ آخر وقت تک برائیوں سے روکتے رہے، اور انہی کو نجات و کامیابی ملی۔ یعنی برائی سے روکنے والے کامیاب ہوئے۔ اور انہی کے لیے کامیابی ہے۔ اس مفہوم کو رسول اکرم ﷺ نے اس انداز سے سمجھایا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا قَالَ سَمِعْتُ عَامِرًا يَقُولُ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ

أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا ، فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوا: لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا ، فَإِنْ يَتْرُكُوهُمْ وَمَا أَرَادُوا هَلَكُوا جَمِيعًا ، وَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيعًا . ))[1]

''زکریا رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عامر رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے اور ان میں واقع ہونے والے (اللہ کے قانون کو توڑنے والے) کی مثال ایسے ہے جیسے کچھ لوگ کشتی میں سوار ہوئے انھوں نے کشتی میں سوار ہونے کے لیے قرعہ اندازی کی۔ پس ان میں بعض اوپر والی منزل اور بعض نیچے والی منزل میں بیٹھ گئے۔ نچلی منزل والوں کو جب پانی کی ضرورت ہوتی تو وہ اوپر آتے پس نچلی منزل والوں نے سوچا کہ ہم نیچے والی منزل میں سوراخ کر لیں، اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں۔ پس اگر وہ ان کو ان کے ارادے سمیت چھوڑ دیں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیں گے تو وہ سارے کے سارے مسافر بچ جائیں گے۔''

اس مثال پر غور فرمائیں! جو اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ اگر غلطی کرنے والوں کو غلطی سے نہ روکا جائے تو غلطی نہ کرنے والے بھی تباہی اور بربادی کا شکار ہو جایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ کشتی میں سوراخ نیچے والے کر رہے تھے، اوپر والوں کا اس میں کوئی کردار نہ تھا۔ اب اگر اوپر والے لوگ نیچے والوں کو کشتی میں سوراخ کرنے کی اجازت دے دیں تو دونوں ہی تباہ ہو جائیں گے۔ لیکن اگر غلطی کرنے کی اجازت نہ دیں تو خود بھی بچ جائیں گے، اور دوسروں کو بھی بچانے کا سبب بنیں گے۔ یہی حال ہے معاشرتی برائیوں کا۔ اگر ہم ایک دوسرے کو برائی سے روکیں گے تو نجات پائیں گے۔ بصورت دیگر تباہی اور بربادی مقدر ہے۔ اس

[1] صحیح البخاری، کتاب الشرکة، باب هل یقرع فی القسمة والاستهام فیه؟، رقم: ٢٤٩٣.

تباہی اور بربادی سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے بندوں نے ہمیشہ نیکی کا حکم اور برائی سے لوگوں کو روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اوصاف حمیدہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

(التوبہ: ۷۱)

''مومن مرد اور مؤمن عورتیں ان میں سے بعض ایک دوسرے کے رفیق ہیں، وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں برائی سے منع کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

غور فرمائیں! مومنوں کی اچھی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ نیکی کا حکم اور برائی سے روکتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ یہ عظیم نیکی بھی ہے، ایمان کا تقاضا بھی اور اس کے ساتھ معاشرہ کی فلاح و کامیابی بھی اور ہر سمجھدار انسان معاشرہ کی فلاح اور کامیابی چاہتا ہے۔ اس وجہ سے شریعت نے اس کو ایمان قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمان رسول ﷺ ہے:

((عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَان.)) [1]

''سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ (طاقت) سے بدلے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے (منع کرے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (بُرا جانے) یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون النهی عن المنکر من الایمان، رقم: ۴۹.

یعنی سب سے کمزور ایمان اس کا ہے کہ جو برائی سے نفرت کرے لیکن اگر نفرت بھی برائی کی دل میں نہ رہے۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان کا جنازہ نکل چکا ہے۔ جس کے نتیجے میں عذاب الٰہی کبھی بھی آ سکتا ہے۔ اس تباہی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ نیکی کا حکم اور برائی کی باتوں سے روکا جائے، یہ کامیابی بھی ہے، اور عظیم نیکی بھی۔

((حَدَّثَنِي عَبْدُاللَّهِ بْنُ فَرُّوخَ أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ تَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّهُ خُلِقَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ بَنِي آدَمَ عَلَى سِتِّينَ وَثَلَاثِ مِائَةِ مَفْصِلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللَّهَ، وَحَمِدَ اللَّهَ، وَهَلَّلَ اللَّهَ، وَسَبَّحَ اللَّهَ، وَاسْتَغْفَرَ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ، وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيقِ النَّاسِ، أَوْ شَوْكَةً أَوْ عَظْمًا عَنْ طَرِيقِ النَّاسِ، وَأَمَرَ بِمَعْرُوفٍ، أَوْ نَهَى عَنْ مُنْكَرٍ، عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّينَ وَالثَّلَاثِ مِائَةِ السُّلَامَى، فَإِنَّهُ يَمْشِي يَوْمَئِذٍ وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهُ عَنِ النَّارِ.)) [1]

''عبداللہ بن فروخ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر انسان کے تین سو ساٹھ جوڑ پیدا کیے گئے ہیں۔ پس جس نے اللّٰہ اکبر کہا، الحمد لله کہا، لاالہ الا اللّٰہ کہا، سبحان اللّٰہ کہا، استغفر اللّٰہ کہا، راستہ سے کوئی پتھر ہٹایا یا کوئی کانٹا یا ہڈی راستے سے دور کر دی، اور کسی نیکی کا حکم دیا یا کسی برائی سے روکا، آپ ﷺ نے یہ تین سو ساٹھ جوڑ شمار کیے تو وہ اس دن اس حالت میں چلتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو جہنم کی آگ سے دور کر لیا ہوتا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا بھی عظیم اخلاقیات و آداب اسلامی میں سے ہے۔



[1] صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف، رقم: ۱۰۰۷.

باب نمبر:5

# رشتہ داری کے آداب

## والدین کے آداب:

والدین کائنات کی وہ دو عظیم ہستیاں ہیں کہ جو رب کے بعد بچے پر سب سے زیادہ احسان کرتی ہیں۔ اس کے دکھ درد کا خیال کرتی ہیں۔ اس کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اور بچوں کو سہولت پہنچانے کے لیے اپنی راحتوں کو قربان کر دیتی ہیں۔ اپنے بچوں کو بہتر سہولتیں پہنچانے کے لیے ایک ملک سے دوسرے ملک، ایک شہر سے دوسرے شہر، دیس سے پردیس کی زندگی گزارتے ہیں۔ کہ ہمارے بچوں کا مستقبل بہتر ہو جائے۔ تو جو والدین بچوں کے لیے اتنی محنت اور مشقت برداشت کرتے ہیں۔ اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے ہر قسم کی محبتوں کو قربان کر کے، دیس سے پردیس جاتے ہیں تو لازم ہے کہ بچے بڑے ہو کر اپنے والدین کا خیال کریں۔ ان کی ضروریات کو پورا کریں۔ ان کے ساتھ نیکی کریں۔ ان کے ساتھ اچھے انداز سے پیش آئیں۔ کیونکہ ان کے احسانات کا یہ تقاضہ ہے۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں یوں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ؕۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۵ اَلَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ

عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿١٦﴾

(الاحقاف : ۱۵ تا ۱۶)

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا۔ اور تکلیف جھیل کر جنا۔ اس کا دودھ چھڑانے اور اس کے حمل کا زمانہ تیس ۳۰ ماہ کا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی کمال قدرت کے زمانے، چالیس ۴۰ سال کی عمر کو پہنچا تو کہنے لگا، اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکریہ بجالاؤں جو تو نے مجھ پر، اور میرے ماں باپ پر کی ہے۔ اور میں ایسے صالح عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے، اور تو میری اولاد بھی صالح بنا۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں، اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال ہم تو قبول فرما لیتے ہیں، اور جن کے بداعمال سے درگزر کرتے ہیں یہ جنتی لوگ ہیں اس سچے وعدے کے مطابق جو ان سے کیا جاتا ہے۔''

ان آیات پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ جو والدین کے ساتھ احسان کرنا ہے وہ والدین کی اولاد کے لیے تکلیفوں کا تقاضہ ہے کہ جب بچے جوانی کو پہنچیں تو والدین کے ساتھ احسان کریں، ان کے لیے دعائیں کریں۔ یقیناً ایسے لوگ جنتی ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رب کی رضا ہے۔

((عن عبد الله بن عمرو عن النبی ﷺ قال: رِضَى الرَّبِّ فِيْ رِضَى الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ .)) [1]

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رب کی رضا والد کی رضا ہے، اور رب کا غصہ والد کے غصہ میں ہے۔''

یعنی رب کو راضی کرنا چاہتے ہو تو والد کو راضی کرلو۔ اگر والد راضی ہو گیا تو رب بھی راضی ہو جائے گا۔ بصورت دیگر اگر والد کو ناراض کر دیا تو رب بھی ناراض ہو جائے گا۔ کیونکہ

[1] سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ۱۸۹۹۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ۵۱٦.

اللہ مہربان نے لوگوں کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنے والدین کو راضی کریں، اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ ﴾

(بنی اسرائیل: ۲۳ تا ۲۵)

''اور تیرا پروردگار صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا اگر تیری موجودگی میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اُف تک نہ کہنا، ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا۔ بلکہ بڑے احترام کے ساتھ بات کرنا، اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھنا، اور دُعا کرتے رہنا اے میرے پروردگار! ان پر بھی ایسا رحم فرما جیسا انہوں نے میرے بچپن میں مجھ پر فرمایا۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے تمہارا رب بخوبی جانتا ہے۔ اگر نیک ہو تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔''

غور فرمائیں کہ اللہ نے اپنی عبادت کے بعد جس دوسری چیز کو ایک انسان کے اوپر لازم قرار دیا ہے وہ والدین کے ساتھ احسان و نیکی کرنا ہے۔ یعنی رب کی توحید کے بعد انتہائی اہمیت والی بات والدین کو راضی کرنا ہے۔ اسی اہمیت کو رب نے اس انداز میں بھی بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ

اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۗ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٨٣﴾ (البقرہ: ۸۳)

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا، اسی طرح قرابت داروں، مسکینوں، یتیموں کے ساتھ اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا، نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ دیتے رہنا۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ والدین کے ساتھ احسان کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلی قوموں بنی اسرائیل وغیرہ سے بھی لیا۔ جس کا مطلب ہے کہ والدین کے ساتھ احسان کرنے کا تاکیدی حکم پہلی قوموں کو بھی دیا گیا تھا۔ یہ احسان اور نیکی والدین کے ساتھ دنیاوی حد تو ہوگی۔ اگر کفریہ یا شرکیہ کام کرنے پر والدین اولاد کو مجبور کریں۔ تو اولاد والدین کی ایسی بات قطعاً نہ مانے گی اور نہ ہی اس بات کو نہ ماننے سے اولاد پر کوئی گناہ ہوگا۔ چنانچہ:

((حَلَفَتْ أُمُّ سَعْدٍ أَنْ لَا تُكَلِّمَهُ أَبَدًا حَتّٰى يَكْفُرَ بِدِينِهِ وَلَا تَأْكُلَ وَلَا تَشْرَبَ، قَالَتْ زَعَمْتَ أَنَّ اللّٰهَ وَصَّاكَ بِوَالِدَيْكَ وَأَنَا أُمُّكَ وَأَنَا آمُرُكَ بِهٰذَا قَالَ مَكَثَتْ ثَلَاثًا حَتّٰى غُشِيَ عَلَيْهَا مِنَ الْجَهْدِ فَقَامَ ابْنٌ لَهَا يُقَالُ لَهُ عُمَارَةُ فَسَقَاهَا فَجَعَلَتْ تَدْعُو عَلٰى سَعْدٍ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْقُرْآنِ هٰذِهِ الْآيَةَ ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۗ﴾ (العنکبوت: ۸) ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ﴾ (لقمان: ۱۵) . )) [1]

''سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے (ان کی والدہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں) ایک دن ان کی والدہ نے قسم کھائی کہ جب تک وہ اسلام کا انکار نہ

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فی فضل سعد بن ابی وقاص، رقم: ۱۷٤۸.

کرے وہ ان سے نہیں بولیں گی، نہ کھائیں گی اور نہ پیئیں گی۔ ان کی والدہ نے ان سے یہ بھی کہا کہ تم یہ کہتے ہو کہ بے شک اللہ نے تم کو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں، اور میں تمہیں اسلام چھوڑنے کا حکم دیتی ہوں۔ تم میرا کہا مانو! تین دن وہ اسی حالت میں رہیں یہاں تک کہ بے ہوش ہوگئیں۔ ان کے بیٹے عمارہ نے ان کو پانی پلایا۔ جب انہیں ہوش آیا تو وہ سعد رضی اللہ عنہ کو بدعا دینے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

﴿وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾ (العنکبوت : ۸)

''اور ہم نے انسان کو حکم صادر کیا ہے کہ وہ اپنے والدین سے حسن سلوک سے پیش آئے۔''

﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (لقمان : ۱۵)

''اور اگر وہ تجھ سے جھگڑا کریں کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں ہے، تو ان کا کہنا نہ مان، اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھے انداز سے سلوک کر۔''

یعنی دنیاوی معاملات میں اپنے والدین کا خیال کر۔ ان کے کافر ہونے کے باوجود اس چیز کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ:

((عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما قالت: أَتَتْنِي أُمِّي رَاغِبَةً فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ آصِلُهَا؟ قَالَ: "نَعَمْ".)) [1]

''سیدہ اسماء بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مشرکہ ماں معاہدہ حدیبیہ کے دوران مدینہ میں اپنی بیٹی کے پاس آئیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ، کیا میں اپنی ماں سے حسن سلوک کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تم اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: ۵۹۷۸.

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیاوی معاملات میں والدین کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک سے پیش آنا ہے، اور خاص طور پر اپنی والدہ کا زیادہ خیال کرنا چاہیے۔ جبکہ والدہ دین دار اور باشعور خاتون ہو۔ غلط اور صحیح کو اچھے طریقے سے سمجھ سکتی ہو۔ ورنہ والد کی بات کو قبول کرنا چاہیے۔

((عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِى؟ قَالَ: "أُمُّكَ" قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ؟ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ .)) [1]

''ایک صحابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں، اس نے کہا، پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تیری ماں۔ اس نے کہا، پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تیری ماں، اس نے کہا، پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تیرا باپ۔ پھر جو تمہارے سب سے زیادہ قریب ہو۔''

کیا اس احسان کی کوئی حد بھی ہے۔ اس کی حد کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَا يَجْزِى وَلَدٌ وَالِدَهُ اِلَّا اَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوْكًا فَيَشْتَرِيَهِ فَيُعْتِقَهُ .)) [2]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بیٹا اپنے باپ کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتا۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنے والد (باپ کو) غلام پائے، تو اسے خرید ے اور آزاد کر دے۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبة، رقم: ۵۹۷۱.

[2] صحیح مسلم، کتاب العتق، باب فضل عتق الولد، رقم: ۱۵۱۰.

یہ والدین کا احسان چکا دینے کی ایک صورت ہے۔ تو جو لوگ والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں یہ لوگ مبارک لوگ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ خاص فضل واحسان فرماتا ہے۔

((عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا الْبِرُّ" وفی مسند الر ویانی ج ۱/ ۲٤٤ ......اِنَّ فِي التَّوْرَاةِ لَمَكْتُوبٌ يَا ابْنَ آدَمَ اِتَّقِ رَبَّكَ، وَبِرَّ وَالِدَاكَ وَصِلْ رَحِمَكَ أُمْدُدْ لَكَ فِي عُمُرِكَ .))[1]

''سیدنا سلیمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔''

یعنی عمر میں برکت والدین کے ساتھ نیکی کرنے سے اور جنت بھی ملتی ہے۔ والدین کی خدمت کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذَلِكَ الْبَابَ أَوْ احْفَظْهُ .))[2]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''والد جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ ہے۔ پس تو اس کی حفاظت کر۔''

یعنی والد کی اطاعت اور فرمانبرداری کر کے اس کے ساتھ احسان کر کے اپنے آپ کو جنت کا مستحق بنا۔ وہ لوگ بڑے بدبخت ہوں گے کہ جن کے والدین ان کی جوانی میں موجود ہوں وہ اپنے والدین کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکے۔

((عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: رَغِمَ اَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ

---

[1] سنن ترمذی، ابواب القدر باب ما جاء لا یرد القدر الا الدعاء، رقم: ۲۱۳۹۔ و مسند الرویانی: ۱/ ۲۲٤۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ۱۵٤.

[2] سنن ترمذی، ابواب البر والصلة باب الفضل فی رضا الوالدین : رقم: ۱۹۰۰۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

اَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ اَنْفُ قِيلَ مَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدَهُمَا اَوْ كِلَيْهِمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ . )) [1]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے تین بار فرمایا، اس کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین میں سے ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں نہ گیا۔''

غور فرمائیں کہ نبی رحمت ﷺ تین بار ایسے شخص کو بربادی کی وعید سنا رہے ہیں کہ جو والدین کی خدمت کر کے جنت کو حاصل نہ کر سکا۔ لہٰذا کوشش کریں کہ والدین کے ساتھ احسان کریں، نیکی کریں اور ان کے لیے دعائیں کریں۔ کیونکہ یہی اچھی اولاد کی صفات ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾

(ابراهيم: ٤١)

''اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے، اور میرے والدین کو بھی بخش، اور دیگر مومنوں کو بھی بخش جس نے دن حساب ہونے لگے۔''

غور فرمائیں کہ اچھی اولاد والدین کے لیے دعائیں کرتی ہے، اور اچھی اولاد کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے والدین کے دوستوں کے ساتھ بھی احسان کرتے ہیں۔ ان کا ادب واحترام کرتے ہیں۔ چنانچہ:

((عن عبد الله بن دينار عن عبد الله بن عمر: اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَعْرَابِ لَقِيَهُ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ ، وَحَمَلَهُ عَلَى حِمَارٍ كَانَ يَرْكَبُهُ ، وَاَعْطَاهُ عِمَامَةً كَانَتْ عَلَى رَأْسِهِ فَقَالَ ابْنُ دِيْنَارٍ فَقُلْنَا لَهُ: اَصْلَحَكَ اللّٰهُ! اِنَّهُمُ الْاَعْرَابُ وَاِنَّهُمْ يَرْضَوْنَ بِالْيَسِيْرِ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: اِنَّ اَبَا هٰذَا كَانَ وُدًّا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ،

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة ، باب رغم انف من ادرك ابويه او احدهما : رقم: ٢٥٥١.

وَاِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ "اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الْوَلَدِ اَهْلَ وُدِّ اَبِیْهِ . ))❶

''سیدنا عبداللہ بن دینار، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی آدمی انہیں ایک راستے میں ملا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سلام کیا، اور اسے اس گدھے پر سوار کر لیا جس پر وہ خود سوار تھے۔ اور اسے وہ عمامہ بھی دے دیا جو ان کے سر پر تھا۔ ابن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، اللہ آپ کا بھلا کرے، یہ تو دیہاتی لوگ ہیں تھوڑی سی چیز سے راضی ہو جاتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس شخص کا باپ عمر بن خطاب کا دوست تھا، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: کہ سب سے بڑی نیکی آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں سے نیکی کرنا ہے۔''

لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے والدین، اور والدین کے دوستوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آیا جائے۔ یہ اچھی اور کامیاب اولاد کی پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

والدین کے لیے ہمیشہ دعا گو رہنا چاہیے۔

﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲٤)

''اے اللہ ان دونوں پر اسی طرح رحم فرما، جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔''

## اولاد کی تعلیم وتربیت کے آداب:

اولاد اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ جس نعمت کا کوئی دوسری نعمت بدل نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے ہر پیغمبر نے رب سے اولاد کی دعا کی ہے۔ اور اولاد کی چاہت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اولاد جیسی نعمت سے کسی کو نوازے تو اس پر لازم ہے کہ اولاد کے حقوق کی طرف توجہ دے، اور ان حقوق کو بحسن خوبی انجام دینے کی کوشش کرے۔

❶ صحیح مسلم کتاب البیر والصلة رقم : ۲۵۵۱.

اولاد کے ساتھ حسن سلوک یا حقوق میں سے سب سے پہلا حق یہ ہے کہ اولاد کی صحیح تربیت کرے، صحیح تربیت کا مطلب ہے کہ اولاد کو دین کی بنیادی تعلیمات یعنی عقائد وعبادات کی خوب تعلیم دلوائے۔ تاکہ بڑا ہونے کے بعد صحیح طور پر دین پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو سنوارے، اور والدین کے لیے نجات کا ذریعہ بن جائے۔ چنانچہ:

((عَنْ أَبِى سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَاتَّقَى اللّٰهَ فِيهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ.)) [1]

''سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، انہیں (حسن معاشرت کا) ادب سکھایا، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتا رہا، اور ان کے معاملہ میں اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھا تو اس کے لیے جنت ہے۔''

اندازہ کیجئے کہ اولاد کی صحیح تربیت اور خصوصاً بچیوں کی تربیت میں جنت کا حصول ہے۔ لہٰذا بچوں کی صحیح دینی تربیت کی طرف خوب توجہ دینی چاہیے۔ اولاد کے حسن سلوک میں سے یہ بھی ہے کہ اولاد کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ کسی کو بہت زیادہ پیار اور تحفہ تحائف دینا، اور کسی کو بالکل نظر انداز کر دینا، یہ قطعاً نامناسب ہے۔ بلکہ حقوق اولاد کے منافی ہے۔ کہ جس سے بچوں میں احساس کمتری اور آپس میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی حرکت سے بچنا ضروری ہے۔ جس کو ہم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک واقعہ کی روشنی میں خوب خوب سمجھ سکتے ہیں۔

((عَنِ النُّعْمَانَ ابْنَ بَشِيرٍ رضی اللہ عنہما وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: أَعْطَانِي أَبِى عَطِيَّةً، فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ: لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهِدَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً، فَأَمَرَتْنِي أَنْ أُشْهِدَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: أَعْطَيْتَ سَائِرَ

[1] سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ۱۹۱۵۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ۲۹۴.

وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ، قَالَ: فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ .)) [1]

''سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما منبر پر بیان کر رہے تھے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دیا تو عمرہ بنت رواحہ (نعمان رضی اللہ عنہ کی والدہ) نے کہا کہ جب تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر گواہ نہ بنائیں میں راضی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ (حاضر خدمت ہوکر) انھوں نے عرض کیا کہ عمرہ بنت رواحہ سے اپنے بیٹے کو میں نے ایک عطیہ دیا تو انھوں نے کہا کہ آپ کو پہلے گواہ بنالوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا اسی جیسا عطیہ تم نے اپنی تمام اولاد کو دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، نہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف قائم رکھو۔ چنانچہ وہ واپس ہوئے اور ہدیہ واپس لے لیا۔ (کیونکہ یہ چیز اولاد کے ساتھ حسن سلوک کی راہ میں رکاوٹ تھی۔)''

اولاد کے ساتھ حسن سلوک میں سے یہ بھی ہے بچوں کے ساتھ پیار کیا جائے، ان کو خوش رکھا جائے، اور ان کی دلجوئی کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ:

((عن البراء رضی اللہ عنہ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَالْحَسَنَ بْنُ عَلِيٍّ عَلٰى عَاتِقِهِ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ .)) [2]

''سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ آپ کے کاندھے مبارک پر تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے: کہ اے اللہ! مجھے اس سے محبت ہے تو بھی اس سے محبت رکھ۔''

غور فرمائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کاندھے پر بٹھا لیتے اور ان کو جھولے

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الھبة، رقم: ۲۵۸۷.

[2] صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: ۳۷٤۹.

دیتے اور فرماتے کہ اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔

بچوں کے ساتھ حسن سلوک میں سے یہ بھی ہے کہ بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ بچوں کو قتل کرنے کی صورت آج کے دور جدید میں منصوبہ بندی ہے۔ منصوبہ بندی کے ذریعہ سے بچوں کو پیدا ہونے سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نہ بچے ہوں گے نہ کمانے کھلانے کی مصیبت میں پڑیں گے۔ اس وجہ سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی حرکت سے قطعاً منع فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾ ﴾

(الانعام: ۱۵۱)

”کہہ دیجئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تم پر تمھارے رب نے حرام کی ہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو، اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کرو۔ ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں، اور بے حیائی کے پاس بھی مت جاؤ، خواہ اعلانیہ اور خواہ پوشیدہ ہوں جن کا خون کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے، اس کو قتل مت کرو مگر حق کے ساتھ۔ اس کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔“

اس وقت لوگ اولاد کو کھلانے کے ڈر سے قتل کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ رزق میں دیتا ہوں تمھیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی ضرورتوں کو میں خود پورا کر دوں گا۔ بلکہ تمہاری ضرورتیں بھی پوری کر دی جائیں گی۔ لہٰذا یہ حماقت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ منصوبہ بندی کے ذریعہ سے بچوں کو قتل کرواؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو دنیا اور آخرت میں ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ حفظ و امان میں رکھے۔ آمین!

## نیک اولاد کے حصول کے لیے دُعا:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝۳۸﴾

(آل عمران : ۳۸)

''اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطاء فرما، تو ہی دعاؤں کو سننے والا ہے۔''

## میاں بیوی کے آداب وحقوق:

میاں بیوی کا رشتہ آپس میں بڑا مقدس رشتہ ہے کہ ان دونوں کا عنصر ہی اولاد آدم کے پھیلانے کا باعث ہے، اور انسانیت کی بقا کی ضمانت ہے، اور چین وسکون کی علامت ہیں، اور باہمی محبت والفت کا نشان ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝۲۰ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱﴾

(الروم: ۲۰ تا ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اب تم ایک انسان ہو جو ہر جگہ پھیل رہے ہو۔ اور ایک (نشانی یہ بھی) ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرسکو۔ اور تمہارے درمیان محبت و الفت پیدا کردی۔ غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں کئی نشانیاں ہیں۔''

اس بات کی وضاحت فرمان رسول ﷺ میں یوں مذکور ہوئی ہے:

((عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ "لَمْ يُرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلُ النِّكَاحِ".)) [1]

[1] سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، رقم: ۱۸۴۷ ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ۶۲۴.

''ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کے رشتہ سے بڑھ کر کوئی چیز محبت کرنے والوں کے درمیان تعلقات کو بڑھانے والی نہیں ہے۔''

دوسرے مقام پر رب تعالیٰ کے ارشاد پاک میں اس بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٨٩﴾﴾

(الاعراف : ١٨٩)

''اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک تن واحد سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اسے اُنس حاصل کرے۔ پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا۔ سو وہ اس کو لے کر چلتی پھرتی رہی، سو جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے دعا کرنے لگے جو ان کا مالک ہے اگر تو نے ہم کو صحیح اور صالح اولاد دی تو شکر گزاری کریں گے۔''

اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کر لیں تو اس سے یقیناً ایک کامیاب معاشرہ وجود میں آسکتا ہے، اور ان کی اپنی زندگی بھی کامیاب زندگی بن سکتی ہے۔ چنانچہ زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ان اصولوں کے مطابق حقوق ادا کیے جائیں جو شریعت نے متعین کیے ہیں۔ اور اس طبیعت کا بھی خیال رکھنا چاہیے جس کی خبر شریعت مطہرہ نے دی ہے۔ اگر اس طبیعت کا خیال کر کے اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق ادا کیے جائیں تو زندگی انتہائی کامیاب اور معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جائے۔

((عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ "اِنَّ الْمَرْأَةَ كَالضِّلَعِ ، اِذَا ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا ، وَاِنْ تَرَكْتَهَا اِسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيْهَا عِوَجٌ . ))[1]

[1] صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب الوصية بالنساء، رقم: ١٤٦٧.

''آپ ﷺ نے فرمایا: عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ وہ کسی طرح تمہارے لیے سیدھی نہ ہوں گی اور پسلی کا سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ وہ ہے جو بلند ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنے لگو گے تو اسے توڑ ڈالو گے۔ اور اگر چھوڑ دو گے تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔ لہٰذا عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔''

اس روایت میں عورت کے تخلیقی وصف کو بیان کیا گیا ہے کہ جس پر اس کی طبیعت مشتمل ہے۔ اور ضد اور ہٹ دھرمی اور انتہائی نازک پن ہے۔ مرد کو عورت کے ساتھ کوئی بھی سلوک کرتے ہوئے اس طبیعت کو بھی اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ پھر کوئی کاروائی کرے۔ بصورت دیگر پریشان ہو جائے گا، اور دوسروں کے لیے بھی پریشانی کا باعث بنے گا۔

((عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ "لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ اَوْ قَالَ غَيْرَهُ". ))[1]

''آپ ﷺ نے فرمایا: مومن مرد اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی ایک عادت یا صفت اسے ناپسند ہوگی، تو اس کی دوسری صفت سے وہ خوش ہوگا۔''

یعنی عورت میں اگر کوئی بُری خصلت ہے تو کوئی اچھی بھی ضرور ہوگی۔ اچھی خصلت کو سامنے رکھ کر بُری کو بھول جایا کرو۔ اور خیر اور بھلائی کا راستہ پیدا کر لیا کرو۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۱۲۸﴾

(النساء: ۱۲۸)

''اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں صلح کر لیں، اس میں ان پر کوئی گناہ نہیں، صلح بہت بہتر چیز ہے، طمع ہر نفس میں شامل کر دی گئی ہے۔ اگر تم نیکی کرو پرہیز گاری کرو تو جو تم کر رہے ہو اللہ

[1] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، رقم: ۱۴۶۹۔

تعالیٰ اس پر پوری طرح باخبر ہے۔''

یعنی صلح کرو اس میں بہتری ہے۔ تکلیف دینے کے لیے عورتوں کو مت روکو۔ اس چیز کی اجازت اللہ تمہیں قطعاً نہیں دیتا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝١٩﴾ (النساء: ١٩)

''اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو، انہیں اس لیے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انہیں دیا ہے وہ لے لو، ہاں! اس میں سے کچھ بات ہے کہ وہ فحاشی یا برائی کریں ان سے اچھے طریقہ سے بود و باش رکھو، اگر تم انہیں ناپسند کرو، پس ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا مانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے۔''

یعنی جس کو تم برا سمجھ رہے ہو اور اس کو تکلیف دے رہے ہو، ہوسکتا ہے کہ اس میں بھلائی ہو۔

((عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: اَللّٰهُمَّ اِنِّی اُحْرِّجُ حَقَّ الضَّعِيفَيْنِ: اَلْيَتِيمُ وَالْمَرْأَةُ .)) [1]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں لوگوں کو دو ضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں (کہ ان میں کوتاہی مت کرنا) ایک یتیم اور دوسری عورت۔''

غور فرمائیں کہ آپ ﷺ عورتوں کے حقوق کے متعلق خاص طور پر ڈرا رہے ہیں۔ کوشش کرنی چاہیے کہ عورتوں کے حقوق کا خیال رکھیں۔ عورتوں کے حقوق میں سے یہ بھی ہے

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الادب: ٣٦٧٨۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ١٠١٥.

کہ عورتوں کو کھلانے پلانے کا انتظام کیا جائے۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: جَاءَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِسِّيكٌ فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ أَنْ أُطْعِمَ ، مِنَ الَّذِي لَهُ ، عِيَالَنَا؟ قَالَ: "لَا أُرَاهُ إِلَّا بِالْمَعْرُوفِ . ))[1]

''ابوسفیان کی بیوی، ہندہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوسفیان ذرا بخیل آدمی ہے تو کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا اگر میں ان کے مال میں سے اپنے بچوں کے لیے (بغیر اجازت) کچھ لے لوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گناہ نہیں ہوگا، مگر دستور کے مطابق لینا۔''

اس حدیث سے معلوم ہو کہ عورت کو اکھلانا پلانا مرد کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری اس کو اچھے طریقہ سے ادا کرنی چاہیے۔ اس سلسلہ میں جو بھی وہ خرچ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اس پر خوب اجر دے گا۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم : "دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ وَدِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مِسْكِينٍ ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ . ))[2]

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک دینار جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کیا۔ ایک دینار غلام کو آزاد کرنے میں خرچ کیا۔ ایک دینار مسکین پر صدقہ کیا، اور ایک دینار بال بچوں پر خرچ کیا۔ ان میں سب سے زیادہ اجر اس دینار میں ہے جو تو نے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ذکر هند بنت عتبة رضی اللہ عنہا، رقم: ۳۸۲۵.
[2] صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقة علی العیال والمملوك، رقم: ۹۹۵.

یعنی بیوی بچوں پر خرچ کیا ہوا مال اجر کے لحاظ سے سب سے زیادہ بہتر ہے۔ یعنی بیوی بچوں پر خرچ کیا کرو۔ اس کے ساتھ عورتوں کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے ساتھ ہر معاملہ میں احسان کیا جائے، ان کا خیال رکھا جائے، ان کی دلجوئی کی جائے۔

((عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: "اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ خُلُقًا". ))[1]

"آپ ﷺ نے فرمایا تم میں کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے، اور تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں سب سے بہتر ہے۔"

یعنی عورتوں کا خیال کرنے والا سب سے بہترین انسان ہے۔ آپ ﷺ اپنی بیویوں کا خوب خیال کیا کرتے تھے، اور کام کاج میں بھی ان کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

((عن الاسود قال: سالت عائشه رضی اللہ عنہا: مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ فِى بَيْتِهِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَكُوْنُ فِىْ مِهْنَةِ اَهْلِهِ، يَعْنِىْ: فِىْ خِدْمَةِ اَهْلِهِ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ اِلَى الصَّلَاةِ. ))[2]

"سیدنا اسود سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں کیا کیا کرتے تھے۔ آپ نے بتایا کہ وہ اپنے گھر کے کام کاج یعنی اپنے گھر والوں کی خدمت کیا کرتے تھے، اور جب نماز کا وقت ہوتا فوراً (کام کاج چھوڑ کر) نماز کے لیے چلے جاتے تھے۔"

یعنی جب آپ ﷺ کے پاس فارغ وقت ہوتا تو آپ اپنی عورتوں کے ساتھ ہاتھ بٹاتے تھے، اور گھر کے کام کاج کر لیا کرتے تھے۔ تو اس میں عار محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ یہ تو اس محبت کا بھی تقاضہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت میں پیدا کر رکھی ہے۔

---

[1] سنن ترمذی، ابواب النكاح، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها، رقم: ١١٦٢ ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ٢٨٤.

[2] صحيح البخاری، كتاب الاذان، رقم: ٦٧٦.

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ مِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَیۡهَا وَ جَعَلَ بَیۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّ رَحۡمَةً ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ﴾

(الروم: ۲۱)

''اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی۔''

یعنی اللہ کی عظیم نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ نے مرد اور عورت کے درمیان محبت پیدا کر دی ہے۔ شوہر مل جانے کے بعد عورت ماں باپ بہن بھائیوں سے محبت بھی کرتی ہے لیکن خاوند سے اس کی محبت بڑھ جاتی ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس محبت کی وجہ سے لازم ہے کہ ایک دوسرے کا خوب خیال کیا جائے۔ عورت کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اس کو اللہ کے دین کا پابند بنایا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَ اَهۡلِیۡكُمۡ نَارًا وَّ قُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ عَلَیۡهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶﴾ ﴾ (التحریم: ۶)

''اے ایمان والو! تم آپ اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت دل اور مضبوط فرشتے مقرر ہیں، جنھیں جو حکم اللہ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ بلکہ جو حکم دیا جائے بجا لاتے ہیں۔''

یعنی مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی عورت اور بچوں کو بھی جہنم سے بچانے کا اہتمام کرے یعنی ایسے کاموں کا حکم دے اور مجبور کرے جو اطاعت الٰہی پر مبنی ہوں۔ یہ چند حقوق ہیں کو جو مرد کے ذمہ ہیں۔

تو جس طرح مرد کے ذمہ عورت کے حقوق ہیں اسی طرح عورت کے ذمہ بھی مرد کے

حقوق ہیں۔ ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ جس میں سارے ہی حقوق آ جاتے ہیں کہ عورت اپنے شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری کرے۔

((عن ابی هريرة عن النبی ﷺ: قال: "لَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ، لَاَمَرْتُ الْمَرْأَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا.)) [1]

"آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔"

یعنی اگر اللہ کے علاوہ کسی کو رب بنایا جا سکتا ہوتا، اور اس کو سجدہ کرنا بھی جائز ہوتا تو میں عورت کو کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے تا کہ عورت کی طرف سے کمال اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار ہو۔ بہر کیف شوہر کی اطاعت کرنے والی عورت عظیم ہے۔

لیکن اگر نافرمان اور ناشکری ہو تو پھر جہنم میں جائے گی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ عید کے موقعہ پر فرمایا:

((تَصَدَّقْنَ، فَإِنَّ أَكْثَرَكُنَّ حَطَبُ جَهَنَّمَ، فَقَامَتْ امْرَأَةٌ.......... فَقَالَتْ: لِمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "لِأَنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ الشِّكْوَةَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ". )) [2]

"رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا۔ صدقہ کرو۔ اس لیے کہ عورتیں کثرت سے جہنم کا ایندھن ہوں گی۔ ایک عورت نے پوچھا ایسا کیوں ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم کثرت سے شکایت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔"

غور فرمائیں کہ ناشکری کی سزا جہنم ہے، لہٰذا ناشکری سے بچنا چاہیے۔ اور ہر مسلمان عورت کو چاہیے کہ وہ شکر گزاری اور اچھی عورت کی صفات اپنے اندر پیدا کر لے۔

---

[1] سنن ترمذی، کتاب الرضاع باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة، رقم: ١١٥٩۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے "حسن صحیح" کہا ہے۔

[2] صحیح مسلم، کتاب العیدین، باب صلاة العیدین، رقم: ٨٨٥.

## عزیز و اقارب کے ساتھ تعلقات کے آداب:

عزیز و اقارب سے مراد قریبی عزیز، رشتہ دار ہیں۔ شریعت میں قریبی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنے کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ:

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ". )) [1]

"آپ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ:

۱......: مہمان کی عزت کرے۔

۲......: رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

۳......: بھلائی کی بات کرے یا پھر خاموش رہے۔"

اس حدیث مبارکہ میں رشتہ داروں کے ساتھ احسان کو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے رشتہ داروں کا خیال کرنے کا خاص حکم اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

((عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ يُوْصِيْكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ (ثَلَاثًا) اِنَّ اللّٰهَ يُوْصِيكُمْ بِاٰبَائِكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُوْصِيْكُمْ بِالْاَقْرَبِ فَالْاَقْرَبِ. )) [2]

"مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تمہیں اپنی ماؤں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (تین مرتبہ فرمایا) بے شک اللہ تمہیں اپنے باپوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے۔ بے شک اللہ تمہیں رشتہ داروں کے ساتھ ان کی قرابت کے درجات کے لحاظ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: ٦٠١٨۔ صحیح مسلم، رقم: ٤٧.

[2] سنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب بر الوالدین، رقم: ٣٦٦١۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ١٦٦٦.

سے حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۹۰﴾

(النحل: ۹۰)

''بیشک اللہ عدل کا، بھلائی کا، اور قرابت داروں سے حسن سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں، ظلم و زیادتی سے روکتا ہے۔ وہ خود تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

ان دلائل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنے کا اسلام کتنا احساس دلاتا ہے۔ احسان کی صورتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ یعنی اگر ان کو مال ضرورت ہو تو مال دے دیا جائے۔ اگر کوئی اور پریشانی ہو تو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۳۸﴾ (الروم: ۳۸)

''پس قرابت داروں کو، مسکین کو، مسافر کو، ان میں سے ہر ایک کو، اس کا حق دیجئے۔ یہ ان کے لیے بہتر ہے، جو اللہ کا دیدار کرنا چاہتے ہوں۔ پس ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔''

﴿وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۲﴾ (النور: ۲۲)

''تم میں سے جو بزرگی والے ہیں، انہیں اپنے قرابت داروں، مسکینوں، تیموں اور فی سبیل اللہ دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہیے۔ بلکہ معاف اور درگزر کر دینا

چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھارے قصور معاف کر دے۔ اللہ قصور معاف کرنے والا، مہربان ہے۔''

((عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: اَتَی رَجُلٌ مِنْ تَمِيمٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّي ذُوْمَالٍ كَثِيْرٍ ، وَذُوْ اَهْلٍ وَمَالٍ وَحَاضِرَةٍ، فَاَخْبِرْنِي كَيْفَ اَصْنَعُ ، وَكَيْفَ اُنْفِقُ؟ فَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: تَخْرُجِ الزَّكَاةَ مِنْ مَالِكَ فَإِنَّهَا طُهْرَةٌ تُطَهِّرُكَ ، وَتَصِلُ اَقْرِبَاءَكَ ، وَتُعْرِفُ حَقَّ الْمِسْكِيْنَ وَالْجَارَّ وَالسَّائِلَ . )) [1]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تمیم کا ایک شخص آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس کافی مال و دولت بھی ہے، اور اہل و عیال بھی ہیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ میں کیسے خرچ کروں اور کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے مال کی زکوٰۃ نکالا کرو، وہ تمہیں پاک وصاف کرنے والی چیز ہے۔ اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کیا کرو، اور مسکین، اور پڑوسی، اور سائل (مانگنے والے) کا حق پہنچانا کرو۔''

ان دلائل سے رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ نیز رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا ثواب بھی ڈبل ہے۔ چنانچہ:

((......فمر علينا بلال فَقُلْنَا: سَلِ النَّبِيَّ ﷺ: اَيُجْزِئُ عَنِّي اَنْ اُنْفِقُ عَلَى زَوْجِي وَاَيْتَامٍ لِي فِي حَجْرِي؟ ...... قَالَ: نَعَمْ ، وَلَهَا اَجْرَانِ: اَجْرُ الْقَرَابَةِ ، وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ . )) [2]

''نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: جو عورتیں اپنے خاوندوں پر اور اپنی گودوں میں

---

[1] مسند احمد: ۱۳٦/۳، رقم: ۱۲۳۹٤۔ مستدرك حاكم: ۳٦۰/۲، رقم: ۳٤۲٦. حاکم نے اسے ''صحیح علی شرط الشیخین'' کہا ہے۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، رقم: ۱٤٦٦۔ صحیح مسلم، رقم: ۱۰۰۰.

زیر پرورش یتیموں پر صدقہ کرتی ہیں ان کے لیے دگنا اجر ہے۔ ایک رشتہ داری کا اجر اور دوسرا صدقے کا اجر۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشتہ دار پر خرچ کرنا ڈبل اجر کا باعث ہے۔ کیونکہ یہ مال رشتہ داری جوڑنے کا باعث بنے گا۔ اور رشتہ داری جوڑنے والے کامیاب لوگ ہیں۔

((عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ: اَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اِنَّ لِی قَرَابَةً، اَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُونِی، وَاُحْسِنُ اِلَيْهِمْ وَيُسِيئُونَ اِلَیَّ، وَاَحْلُمُ عَنْهُمْ وَيَجْهَلُونَ عَلَیَّ، فَقَالَ: "لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ، فَكَاَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ، وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ، مَا دُمْتَ عَلَى ذٰلِكَ.)) [1]

"ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صحابی نے عرض کی! یا رسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں۔ میں ان سے حسنِ سلوک کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں۔ میں ان سے تحمل اور بردباری سے پیش آتا ہوں اور وہ میرے ساتھ نادانی سے پیش آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے کہا ہے، تو گویا تو ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہا ہے۔ ان کے مقابلے میں تیرے ساتھ ہمیشہ اللہ کی طرف سے ایک مددگار رہے گا، جب تک تیرا رویہ ایسا رہے گا۔"

"سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی وحی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتی ہیں، آپ کے اخلاق حسنہ کی شہادت دیتی ہیں اور اپنی پندرہ سالہ ازدواجی زندگی کے تجربہ کا اظہار فرماتی رہیں۔"

((كَلَّا، وَاللّٰهِ! مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ اَبَدًا، اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، رقم: ٢٥٥٨.

عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ . )) ❶

''یقیناً اللہ رب العزت آپ کو رسوا نہ کرے گا، کیونکہ آپ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرتے ہیں، دردمندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں، محتاجوں کی دست گیری فرماتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور پریشان حال کی مدد فرماتے ہیں۔''

ایک اور حدیث قدسی سے بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ (صلہ رحمی) رشتہ داری کو جوڑنا کتنا اہم ہے۔

((اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ ، وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟)) ❷

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحم سے فرمایا کہ جو تجھے ملائے گا اللہ اسے ملائے گا، اور جو تجھے توڑے گا اللہ اسے توڑے گا۔''

ان فرامین پر غور کریں کہ رشتہ داری جوڑنے والے کامیاب لوگ ہیں جو کبھی برباد نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے ان کی مدد کے لیے تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ خاص اپنے فضل واحسان سے ان کو جوڑ دیتا ہے۔ لیکن جو رشتہ داری توڑ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت وفضل سے دور کر دیتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث سے واضح ہے۔ اسی مفہوم بات کو اللہ مہربان نے اپنے اس فرمان میں واضح کیا ہے۔

﴿ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷ ﴾

(البقرہ: ۲۷)

''جو لوگ اللہ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں، اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا انہیں کاٹتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ

❶ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، رقم: ۳.

❷ صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: ۵۹۸۷.

ہیں خسارہ پانے والے۔“

یہ خسارہ دنیا کا بھی ہے اور آخرت کا بھی۔ ایسے لوگوں، قوموں، قبیلوں اور برادریوں کو دیکھا جاسکتا ہے کہ جو آپس میں لڑتی رہتی ہیں۔ اپنی رشتہ داریاں توڑتی رہتی ہیں۔ وہ دنیا میں ذلیل ورسوا ہورہی ہیں۔ ان کا کوئی مقام اور حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ رشتہ داری کو توڑنے سے بچایا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ①﴾

(النساء: ۱)

”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور پھر اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو۔ بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔“

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ رشتہ داریاں توڑنے کے متعلق اللہ سے ڈر جاؤ۔ معنی یہ کہ اگر رشتہ داری توڑنے سے باز نہ آؤ گے۔ اللہ بدترین آزمائشوں سے دوچار کرسکتا ہے۔ ضروری ہے کہ رشتہ داری توڑنے سے بچا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ رشتہ داروں کی برائی کا جواب برائی سے نہ دیا جائے۔ جب برائی کا جواب برائی سے نہ دیں گے تو یقیناً برائی کرنے والوں کو خود شرم آجائے گی، جس کی وجہ سے وہ برائی سے باز آجائیں گے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ㉞﴾ (حم السجدہ: ۳۴)

”نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو۔ پھر تمھارا دشمن ایسا

ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔''

اس مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے:

((اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ ، وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا ، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ .)) [1]

''آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرو۔ برائی کے پیچھے نیکی کرو۔ نیکی برائی کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔''

یعنی آپ کا اچھا اخلاق، برائی کا بدلہ نیکی سے دینا دشمن کو بھی آپ کا بنا دے گا۔ بس تھوڑے سے صبر اور برداشت کی ضرورت ہے۔ نتیجہ بہت جلد آپ کے سامنے آجائے گا۔ اس کے ساتھ برائی سے بھی بچو۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ؗ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾﴾ (الحجرات: ۱۱، ۱۲)

''اے ایمان والو! کوئی جماعت کسی دوسری جماعت سے مسخرا پن نہ کرے، ممکن ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو، اور نہ عورتوں سے عورتیں، ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں کسی کو عیب نہ لگاؤ، اور نہ کسی کو بُرے لقب دو، ایمان کے بعد گناہ گاری برے نام ہیں، اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔ اے ایمان والو! بدگمانیوں سے بچو، یہ کبیرہ گناہ ہیں، اور بھید نہ ٹٹولا کرو، نہ تم میں سے کسی کی

[1] سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ۱۹۸۷، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

کوئی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے، تم کو اس سے گھن آئے گی۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔‘‘

یہ برائیوں کی فہرست جو بیان ہوئی ہے یہ رشتہ داری توڑنے میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر مذکورہ برائیوں پر ہم کنٹرول کر لیں تو یقیناً رشتہ داری توڑنے سے بچ سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات کے مستحق بن سکتے ہیں۔



باب نمبر:6

# دوستوں اور دیگر انسانوں کے ساتھ تعلقات کے آداب

## دوست احباب کے ساتھ میل جول کے آداب:

دوست احباب کے ساتھ باہمی تعلقات، انتہائی پیار اور محبت پر مبنی ہونے چاہئیں۔ ایسے تعلقات ہونے چاہئیں کہ ایک دوسرے سے خیر کی توقع ہو، اور نقصان اور شر کا اندیشہ قطعاً نہ ہو۔ ایسا اسی صورت میں ہی ممکن ہے، جب پیار و محبت ،اور اتفاق و اتحاد سے رہا جائے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ، وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ". ))[1]

''سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا: ایک مومن دوسرے مومن کے حق میں ایک عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے، اور آپ ﷺ نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے اندر کیا۔''

یہ مومنوں کے آپس کے تعلقات کی مثال ہے کہ مومن تو ایک ہیں ۔تو کوئی بھی شخص اپنے ہی خلاف خود سازش نہیں کیا کرتا ۔ بلکہ اپنے آپ کو نقصان سے بچاتا ہے۔ بس یہی مومن کا حال ہے کہ مومن اپنے بھائی کا فائدہ چاہتا ہے، اور نقصان کو اس سے دور کرتا ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ ، وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ: يَكُفُّ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ ،

[1] صحيح البخارى، كتاب المظالم، رقم: ٢٤٤٦.

وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ . ))❶

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: مومن، مومن کا آئینہ ہے۔ اور مومن مومن کا بھائی ہے۔ وہ اس کے نقصان کو روکتا ہے، اور اس کے پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے۔''

یعنی مومن مومن کا محافظ ہے، اس کی عزت کا بھی دفاع کرتا ہے۔ اور یہ دفاع ہر حال میں کرتا ہے۔ اس کی موجودگی میں بھی اور غیر موجودگی میں بھی۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . ))❷

''جس شخص نے اپنے مسلم بھائی کی عزت کا دفاع کیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرہ کو جہنم کی آگ سے دور کرے گا۔''

جہنم سے یہ نجات محض اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کرنے کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا تعلقات ایسے ہونے چاہئیں کہ جس سے مسلمان کی عزت کا دفاع اور اس کی پریشانی کا حل ممکن ہو۔ ایسے ہی تعلقات کامیابی کا راز ہیں۔ چنانچہ:

((عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا ، نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ ، يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا ، سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ اَخِيهِ ، وَمَنْ سَلَكَ

---

❶ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٩١٨ ۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ٩٢٦.

❷ سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی الذب عن عرض المسلم، رقم: ١٩٣١، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا ، سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ ، وَيَتَدَارَسُونَهٗ بَيْنَهُمْ ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهٗ ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ . )) [1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی مومن کی دنیا میں کوئی تکلیف رفع کرے گا ، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف رفع فرمائے گا۔ جو شخص کسی تنگدست پر آسانی کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ جو شخص طلب علم کی خاطر کوئی راہ چلے، اس کے عوض اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمائے گا۔ جب کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے کسی گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت اور تعلیم کے لیے جمع ہوتے ہیں تو ان پر سکینیت (آرام وسکون و اطمینان) نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے ہاں موجود مخلوق میں کرتا ہے۔ اور جسے خود اس کا عمل ہی پیچھے چھوڑ دے، اس کا نسب اسے آگے نہیں لا سکتا)۔''

اس حدیث پر غور فرمائیں کہ اپنے بھائی کی کسی مشکل کو حل کرنے کا ثواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی پریشانیاں دور فرما دے گا۔ کسی بھی بھائی کی پریشانیوں کو ہم اسی صورت میں ختم کر سکتے ہیں کہ جب آپس میں پیار و محبت اور عقیدت و احترام کے جذبات پیدا ہوں۔ اسی وجہ سے شریعت نے آپس میں پیار و محبت سے رہنے کی تاکید اور فضیلت بیان کی ہے

[1] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، رقم: ۲۶۹۹.

چنانچہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((عن النعمان بن بشير يقول: قال رسول الله ﷺ : تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى .)) [1]

''سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت و محبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف و کرم و نرم خوئی میں ایک جیسا پاؤ گے کہ جب اس کا کوئی ٹکڑا بھی تکلیف میں ہوتا ہے، تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ نیند اُڑ جاتی ہے، اور جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

یہ مومنوں کی پیار اور محبت کی مثال ہے۔ کہ ایک جسم کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ محبت کے اعتبار سے جڑے ہوئے ہیں۔ یعنی ایک دوسرے سے بے پناہ پیار و محبت کرتے ہیں۔ کیونکہ جانتے ہیں کہ پیار و محبت اللہ کی رضا مندی اور جنت کا سبب ہے۔ اور یہ بھی خاص اللہ کا فضل و کرم ہے کہ کسی کو صرف اللہ کی رضا کی خاطر محبت کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے اور جس کو یہ توفیق نصیب ہو جائے تو اللہ نے ان کے لیے یہ انعامات تیار کر رکھے ہیں۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي .)) [2]

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: میری عظمت و جلالت کے لیے باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں۔ آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا جبکہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الادب، رقم: ٦٠١١.

[2] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، رقم: ٢٥٦٦.

اور اس پر مستزاد یہ کہ،

((قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْمُتَحَابُّونَ فِی جَلَالِی لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ .)) [1]

"(قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میری جلالت وعظمت کی خاطر باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں۔ ان کے لیے نور کے منبر ہیں (جس پر وہ بیٹھیں گے) ان پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔"

نوٹ:...... یہاں رشک اور غبطہ کا معنی یہ ہے کہ انبیاء وشہداء ان کی اچھی حالت کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ (تحفۃ الاحوذی)

ایک اور فرمان رسول ﷺ سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

((عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ: اَنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَهٗ فِی قَرْيَةٍ اُخْرٰی، فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ عَلَی مَدْرَجَتِهٖ مَلَكًا، فَلَمَّا اَتٰی عَلَيْهِ قَالَ اَيْنَ تُرِيدُ؟ قَالَ: اُرِيدُ اَخًا فِی هٰذِهِ الْقَرْيَةِ، قَالَ: هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا غَيْرَ اَنِّی اَحْبَبْتُهٗ فِی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، قَالَ فَاِنِّی رَسُولُ اللّٰهِ اِلَيْكَ، بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِيهِ .)) [2]

"آپ ﷺ نے فرمایا (ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کے لیے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا۔ اس نے پوچھا "تم کہاں جا رہے ہو؟" اس نے کہا کہ "بستی میں میرا بھائی رہتا ہے۔ اس کے پاس جا رہا ہوں۔" فرشتے نے پوچھا "کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے جس کی وجہ سے تم تکلیف اٹھا رہے ہو یا اس کے احسان کا بدلہ اتارنے جا رہے ؟" اس نے کہا "نہیں میں صرف اس لیے جا رہا ہوں کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔"

[1] سنن الترمذی، کتاب الزهد، رقم: ۲۳۹۰، البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

[2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب فضل الحب فی الله، رقم: ۲۵٦۷.

فرشتے نے کہا ”میں فرشتہ ہوں اور (تمھیں یہ بتانے آیا ہوں کہ) اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرتا ہے، جیسا تم صرف اللہ کے لیے اس سے محبت کرتے ہو۔)“

ان احادیث مبارکہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپس میں محبت کرنے کا ثواب کیا ہے؟ اوران کو قیامت کے دن کس عزت وتکریم کے ساتھ نوازا جائے گا۔ چونکہ یہ محبت اچھے تعلقات کی بنیاد ہے۔ اسی وجہ سے شریعت کسی بھی ایسے کام کی اجازت نہیں دیتی کہ جو اس محبت کے اصولوں کے خلاف ہو۔ چنانچہ:

((عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ ، يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هَذَا ، وَيُعْرِضُ هَذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ .))[1]

”سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ اپنے کسی بھائی سے تین دن سے زیادہ کے لئے ملاقات چھوڑے، اس طرح کہ جب دونوں کا سامنا ہو جائے تو یہ بھی منہ پھیر لے، اور وہ بھی منہ پھیر لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ .))[2]

”کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے کسی مومن بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے۔“

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے زیادہ ناراضگی قطعاً جائز نہیں ہے۔ اگر تین دن سے زیادہ ناراضگی رکھی، اور اسی حالت میں موت آ گئی تو یہ موت انتہائی خطرناک موت ہوگی۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الادب، رقم: ٦٠٧٧.

[2] صحيح بخارى، الادب، رقم : ٦٠٦٥.

((فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ .)) [1]

''اگر وہ (مسلمان) تین دن تک صلح نہ کریں، اور اسی رنج اور ناراضگی میں مر جائیں تو جہنم میں جائیں گے، اور ان کی نیکیاں ان کے کام نہ آئیں گی۔''

غور فرمایئے! تین دن سے زیادہ ناراضگی کی صورت میں جہنم کا عذاب بھی ہوسکتا ہے۔ لٰہذا ضروری ہے کہ تعلق توڑنے سے بچا جائے۔ اور ہر وہ کام کیا جائے کہ جس سے تعلقات مضبوط ہوتے ہوں، اور باہمی تعلقات اچھے ہوتے ہوں۔ اچھے تعلقات میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے بھائی کی مشکل میں اس کا ساتھ دیا جائے، اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کی جائے، کیونکہ اس سے محبت پیدا ہوگی اور تعلقات اچھے ہو جائیں گے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ عمل انتہائی مبارک عمل ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((عن ابی هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ : مَنْ عَادَ مَرِيضًا اَوْزَارَ اَخَالَهُ فِی اللّٰهِ نَادَاهُ مُنَادٍ اَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا .)) [2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی بیمار کی بیمار پرسی کرے یا محض اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے بھائی کی زیارت کرے تو ایک پکارنے والا با آواز بلند کہتا ہے کہ تجھے مبارک ہو، اور تیرا چلنا خوشگوار ہو، تجھے جنت میں ٹھکانہ نصیب ہو۔''

((عن ثوبان عن النبی ﷺ قال: اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ، لَمْ يَزَلْ فِی خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَرْجِعَ .)) [3]

''سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان جب

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فیمن یهجر اخاه المسلم، رقم: ٤٩١٤، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ٢٠٠٨، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

[3] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، رقم: ٦٥٥٣.

اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ بہشت کے باغ میں رہتا ہے۔''

ان دونوں احادیث سے پتہ چلا کہ عیادت کرنا کتنی عظیم نیکی ہے۔ کہ جس کی وجہ سے جنت ملتی ہے، لہٰذا اس نیکی کو کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور اچھا دوست اور اچھا انسان اور اچھا مومن بننا چاہیے۔ کیونکہ ایسے ہی لوگ اللہ کے نزدیک اچھے اور پیارے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

((خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ . )) [1]

''تم میں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ سب سے اچھا ہوگا جو اپنے دوستوں کے حق میں سب سے اچھا ہوگا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اپنے دوست و احباب کے ساتھ اچھے ہیں وہی لوگ اللہ کے نزدیک بھی اچھے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے بھائیوں سے تعلقات اچھے رکھے جائیں تاکہ اللہ کے نزدیک اچھے بن کر دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کو حاصل کیا جا سکے۔

## فقراء، غرباء ومساکین کے آداب:

اللہ تعالیٰ نے معاشی حیثیت سے مختلف اقسام میں لوگوں کو تقسیم کیا ہے۔ کچھ افراد کو مال دار بنایا ہے تو کچھ کو غریب۔ یہ تقسیم اللہ تعالیٰ نے محض بندوں کے امتحان اور اپنی شکرگزاری کے لیے بھی کی ہے۔ اس کے سوا اس تقسیم کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یعنی کوئی مالدار یہ جانے کہ شاید اس کا مال اللہ کے ہاں اس کے قرب یا اللہ کی رضامندی کا سبب ہے۔ ایسا قطعاً نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ مال اس کو بھی کو دیتا ہے کہ جس سے اس کو محبت ہوتی ہے۔ اور اس کو بھی دیتا ہے کہ جس سے اس کو محبت نہیں ہوتی۔ لیکن دین کی سمجھ اس کو دیتا ہے کہ جس سے اللہ کو خاص محبت ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مال و دولت کی فراوانی اللہ کی رضامندی کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

---

[1] سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی حق الجوار، رقم: ١٩٤٤۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ١٠٣٠.

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا ۝۳۶ ﴾ (النساء: ٣٦)

''اللہ کی عبادت کرو، اس کا شریک کسی کو مت بناؤ۔ ماں باپ کے ساتھ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ، محتاجوں کے ساتھ، قریبی ہمسایہ، غیر ہمسایہ اور بیٹھنے والوں، مسافر اور لونڈی اور غلاموں کے ساتھ نیکی کرو۔ بلاشبہ اللہ ان لوگوں کو نہیں چاہتا جو بُرائی اور تکبر کرنے والے ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال و دولت اللہ کی رضا مندی کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر فخر و غرور کیا جائے۔ یا پھر اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز سمجھا جائے۔ ایسا کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ کیونکہ اس سے دوسروں کو حقیر سمجھنا لازم آتا ہے۔ اور جب کسی کو حقیر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس کو ذلیل کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے شریعت نے حقیر اور کمزور جاننے کو ناپسند کیا، اور دوسروں پر ظلم و زیادتی سے روکا ہے۔

((عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا: "اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ"۔ قَالَ اِبْنُ الْمُثَنَّى: مَرَّتَيْنِ۔ "لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ"، فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ۔ فَقَالَ: "أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ" أَوْ "لَمَسَّتْكَ النَّارُ". )) [1]

''سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک بار) میں اپنے غلام کو مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی: 'ابومسعود! خیال کرو......' ابن مثنی کے الفاظ ہیں: میں نے یہ آواز دو بار سنی......۔ اللہ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت

[1] صحیح مسلم، کتاب الأیمان، رقم: ١٦٥٩.

ہے جتنی کہ تم اس پر رکھتے ہو۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ تو میں نے (فوراً) کہا: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ کے لیے آزاد ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم یہ نہ کرتے تو آگ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ الفاظ [لَلَفَحَتْكَ النَّارُ] تھے یا [لَمَسَّتْكَ النَّارُ] ۔''

اس حدیث پر غور فرمائیں کہ ایک شخص کو اس بات سے روکا گیا ہے کہ وہ اپنے غلام پر بھی ظلم کرے، چہ جائیکہ وہ کسی اور پر ظلم وزیادتی کرے۔ یا ان کو تکلیف دینے کی کوشش کرے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوسکتا ہے۔ اس بات کو اس روایت مبارک سے سمجھا جاسکتا ہے۔

((اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ اَتٰی عَلٰی سَلْمَانَ وَصُهَيْبٍ وَبِلَالٍ فِیْ نَفَرٍ فَقَالُوا: وَاللّٰهِ مَا اَخَذَتْ سُيُوفُ اللّٰهِ مِنْ عُنُقِ عَدُوِّ اللّٰهِ مَاْخَذَهَا، قَالَ: فَقَالَ اَبُوبَكْرٍ: اَتَقُولُونَ هٰذَا لِشَيْخِ قُرَيْشٍ وَسَيِّدِهِمْ؟ فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ: يَا اَبَا بَكْرٍ لَعَلَّكَ اَغْضَبْتَهُمْ، لَئِنْ كُنْتَ اَغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ اَغْضَبْتَ رَبَّكَ؟ فَاَتَاهُمْ اَبُوبَكْرٍ فَقَالَ: يَا اِخْوَتَاهْ اَغْضَبْتُكُمْ؟ قَالُوا: لَا، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ يَا اَخِي.)) [1]

''سیدنا سلمان، صہیب اور بلال رضی اللہ عنہم کے پاس سے ابوسفیان گزرے تو انہوں نے (ابوسفیان کو دیکھ) کر کہا اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمن (ابوسفیان) سے اپنا حق وصول نہیں کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، کیا تم یہ بات قریش کے بزرگ سردار کے بارے میں کہہ رہے ہو؟ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو سارا قصہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! شاید تم نے ان مسکین مسلمانوں کو ناراض کردیا ہے۔ اگر واقعی تم نے ان کو ناراض کردیا تو اپنے رب کو ناراض کردیا۔ یہ سن کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے، اور کہا،

[1] صحیح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل سلمان و صهيب و بلال، رقم: ٢٥٠٤.

کیا میں نے تمہیں ناراض کیا؟ انہوں نے کہا، نہیں، اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔"

غور فرمائیں غریبوں اور مسکینوں کو ناراض کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کمزور لوگوں کو تکلیف نہیں دینی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ انہی غریبوں اور مسکینوں کی وجہ سے اپنا فضل و احسان فرماتا ہے۔

((عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ یَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: "اَبْغُوْنِی الضُّعْفَاءَ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ".)) [1]

"سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: مجھے تم کمزوروں میں تلاش کرو۔ یقیناً تمہاری، اپنے ان ضعفاء کی وجہ سے ہی مدد کی جاتی، اور تمہیں انہی کی وجہ سے روزی دی جاتی ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

((عن مصعب بن سعد، قال رَأَی سَعْدٌ رضی اللہ عنہ اَنَّ لَهُ فَضْلُ عَلٰی مَنْ دُوْنَهُ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم "هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ؟")) 

"کہ سعد رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ انہیں اپنے سے کمزور لوگوں پر فوقیت ہے، تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھاری مدد اور تمہیں رزق تو تمھارے کمزوروں ہی کی وجہ سے ملتا ہے۔"

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کا فضل و احسان، رزق میں اضافہ، کمزور اور مسکینوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا خیال کرنا چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، رقم: ۲۵۹۴، البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾ (التوبہ: ٦٠)

''زکوٰۃ صرف مفلسوں کا، محتاجوں کا، اس پر کام کرنے والے لوگوں کا، اور ان لوگوں کا، جنہیں اسلام کی الفت دی جائے، فرض ادا کرنے میں آزاد کرانے میں مسافروں کا، اللہ کی راہ میں ٹھہرایا ہوا ہے۔ اللہ حکمت والا اور علم والا ہے۔''

اس آیت میں زکوٰۃ کا مستحق کمزور لوگوں کو بنا کر ان کا خیال کرنے کی خوب ترغیب دی گئی ہے۔ ان کی ضروریات کو پورا کرنے کی پوری پوری کوشش کی جانی چاہیے۔ ایسا کرنا بڑے ہی اجر وثواب کا باعث ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنَ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ، اَلصَّائِمِ النَّهَارَ .)) [1]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیواؤں اور مسکینوں کے کام آنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔ یا رات بھر عبادت کرنے والے اور دن کو روزے رکھنے والے کے برابر ہے۔''

غریبوں، مسکینوں اور کمزور لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کا کس قدر ثواب ہے کہ ایک طرف اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، ساری رات قیام کرنے، دن کو روزے رکھنے والا ہے۔ جبکہ دوسری طرف کمزوروں کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرنے والا ہے۔ دونوں اجر وثواب میں برابر ہیں۔ لہٰذا کمزوروں کی ضروریات کو پورا کرنے کی خوب کوشش کرنی چاہیے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ کمزوروں کا خیال کرنا چاہیے۔ ان پر زیادہ سختی نہ کی جائے اور اگر کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو کوشش کرنی چاہیے کہ درگزر سے کام لیا جائے، اور خوب معاف کرنا چاہیے۔

((سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

[1] صحیح بخاری، کتاب النفقات، رقم: ٥٣٥٣.

فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كَمْ نَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ؟ فَصَمَتَ ، ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَتَ ، فَلَمَّا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ قَالَ: "اعْفُوا عَنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً". ))[1]

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم خادم کو کس قدر معاف کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس نے پھر سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ پھر جب تیسری بار پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے ہر روز ستر بار معاف کرو۔''

اس نرمی کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نیکیوں میں اضافہ فرمائے گا، اور درجات کو بلند کردے گا۔

((اخبر نی عمرو بن حریث ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: "مَا خَفَّفْتَ عَنْ خَادِمِكَ مِنْ عَمِلِهِ كَانَ لَكَ اَجْرٌ فِي مَوَازِينِكَ". ))[2]

''عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے خادم کے کام میں جو بھی تخفیف کرے گا تو تیرے ترازو میں اس کا اجر وثواب ہوگا۔''

مذکورہ بالا ارشادات سے یہ بات ہمارے سامنے کھل کر آگئی ہے کہ غریبوں، مسکینوں اور کمزوروں کے ساتھ نرمی کی جائے ان کو حقیر نہ جانا جائے ان کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کی بھلائیوں سے مالا مال فرما دے گا۔

## انسانوں کے درمیان صلح کرانے کے آداب:

کسی بھی معاشرے کی کامیابی اور ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرہ کے لوگ آپس میں پیار اور محبت کے ساتھ رہیں۔ اس شکل میں وہ آگے بڑھنے کے بارے میں سوچ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٥١٦٤، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] المنتخب لعبد بن حميد: ٢٥٨/١.

سکیں گے۔ بصورت دیگر ایک دوسرے سے بغض، عداوت، منافرت اور لگائی بجھائی اور خوف وڈر کی وجہ سے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں ہی کرتے رہیں گے۔ جس کی وجہ سے ترقی کا سفر رک جائے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو بلند و بالا ہی دیکھنا چاہتا ہے۔ اس وجہ سے ارشاد فرمایا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی صلح کروا دیا کرو۔

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ (الحجرات: ١٠)

''مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروا دیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

یعنی اللہ کی رحمت کا باعث یہ بھی ہے کہ انصاف کے ساتھ اپنے بھائیوں میں صلح کروا دو۔ چاہے تمھیں اس کے لیے جھوٹ ہی کیوں نہ بولنا پڑے۔ چنانچہ:

''سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین موقعوں کے علاوہ (جھوٹ بولنے کی اجازت) بالکل نہیں دی۔

۱......: لڑائی کے موقع پر (دشمن کو اصل صورت حال سے بے خبر رکھنے کے لیے)

۲......: لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے (اپنی طرف سے باتیں بنانا۔

۳......: مرد کا اپنی بیوی سے اور عورت کا اپنے خاوند سے (کوئی بات کہنا تاکہ گھریلو زندگی خوش گوار رہے۔''

حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

((عن امه ام کلثوم بنت عقبة قالت: ماسمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يُرَخِّصُ فی شیء من الکذب الا فی ثلاث، کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لَا اَعُدُّهُ كَاذِبًا: الرَّجُلُ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، يَقُوْلُ الْقَوْلَ وَلَا يُرِيْدُ بِهِ اِلَّا الْاِصْلَاحَ، وَالرَّجُلُ يَقُوْلُ فِي الْحَرْبِ، وَالرَّجُلُ يُحَدِّثُ اِمْرَأَتُه، وَالْمَرْأَةُ تُحَدِّثُ زَوْجَهَا.)) [1]

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٩٢١۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ٥٤٥.

''سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: میں نے سنا نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ کی کہیں اجازت دی ہو مگر تین مواقع پر۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''میں ایسے آدمی کو جھوٹا شمار نہیں کرتا جو لوگوں میں صلح کرانے کی غرض سے کوئی بات بناتا ہو، اور اس کا مقصد سوائے صلح اور اصلاح کے کچھ نہ ہو۔ اور جو شخص لڑائی میں کوئی بات بنائے۔ اور شوہر جو اپنی بیوی سے یا بیوی اپنے شوہر کے سامنے کوئی بات بنائے۔''

ان دونوں احادیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ صلح کروانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ یعنی ہمارے جھوٹ بولنے سے بھی اگر دو بھائیوں کی نفرت ختم ہوتی ہے تو ہمیں جھوٹ بولنا چاہیے۔ اس جھوٹ پر اللہ ہماری گرفت نہیں فرمائے گا۔ بلکہ اس سے ہمیں ثواب ملے گا۔ کیونکہ صلح کروانا بڑی ہی عظیم نیکی ہے۔ چنانچہ:

((عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلِ مِنْ دَرَجَةِ الصِّیَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ قَالُوْا: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ، وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ الْحَالِقَةُ .))[1]

''سیدنا ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو بتادوں وہ بات جو بہتر ہے روزے، نماز اور صدقے سے؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا، آپس میں صلح کرانا، اور آپس کا فساد، مونڈ دینے والا ہے۔''

غور فرمائیں کہ صلح کروانا اتنی عظیم نیکی ہے کہ جو نماز اور روزے سے بھی افضل ہے۔ اس نیکی کے حصول کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ اور لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔



[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٩١٩، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

باب نمبر:7

# مجلس و گفتگو کے آداب

## آدابِ مجلس:

کسی بھی قوم کی مجالس اس قوم کی تہذیب و تمدن اور ان کی طرز معاشرت کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ کہ جس سے اس قوم کی عقل و شعور اور فہم و فراست کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چونکہ امت مسلمہ ایک امتیازی امت ہے۔ اس وجہ سے اس امت کو ہر اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جو انسانیت کی عزت شرافت اور کمال عظمت کی نشانی ہو کیونکہ یہ امت رہتی دنیا تک کہ آنے والے انسانوں کی رہنما و مقتدی ہے اور قائد و رہبر اور رہنما و مقتدی کے اندر صفات کمال کا ہونا ضروری ہے اور ہر بری خصلت سے روکا گیا ہے۔ جو کہ اس کی شان و شوکت اور عظمت کے خلاف ہے۔ وہ چیزیں جو کہ عزت و عظمت اور ترقی کا نشان سمجھی جاتی ہیں ان میں سے ایک آدابِ مجلس بھی ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے آدابِ مجلس کو خوب اہمیت دی ہے، اور مجلس کے آداب کی طرف خوب توجہ دی ہے، اور ہر اس چیز سے منع فرمایا ہے کہ جس کو عقل سلیم آداب مجلس کے منافی سمجھتی ہے۔

((عن ابن عبدة عن ابيه عن جده ان رسول الله ﷺ قال: "لَا يُجْلَسُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا".))[1]

"سیدنا ابن عبدہ اپنے والد سے اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھا جائے۔"

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ دو افراد اگر بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے ہوں یا نہ کر

[1] سنن ابوداؤد، كتاب الادب، باب فى الرجل يجلس بين الرجلين بغير اذنهما، رقم: ٤٨٤٤، البانی رحمہ اللہ نے اسے "حسن" کہا ہے۔

رہے ہوں تو ان دونوں کے درمیان میں نہیں بیٹھنا چاہیے، یہ آداب مجلس کے خلاف ہے۔ اس طرح آداب مجلس میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کسی مقام پر تین افراد جمع ہوں تو دو افراد کو الگ ہو کر گفتگو اور سرگوشی نہیں کرنی چاہیے۔

((عن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "اِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى رَجُلَانِ دُوْنَ الْآخِرِ حَتَى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ، اَجْلَ اَنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهُ".)) [1]

''سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم تین آدمی موجود ہو تو تب دو آدمی اپنے (تیسرے) ساتھی کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں، اس لئے کہ ایسا کرنا اس (تیسرے) کو غمگین کر دے گا۔''

اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کلام میں بیان فرمایا ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾

(المجادلہ: ۸، ۹)

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جنہیں کانا پھوسی سے روکا گیا تھا۔ وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ کرتے تھے۔ اور آپس میں ظلم وزیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے تھے، اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ایسے لفظوں سے سلام کرتے ہیں کہ جن لفظوں سے سلام کرنے کا اللہ نے

[1] صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب اذا کانوا اکثر من ثلاثۃ......، رقم: ٦٢٩٠.

حکم نہیں دیا۔ اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں اس پر جو ہم کہتے ہیں سزا کیوں نہیں دیتا۔ ان کے لیے جہنم کافی ہے۔ کہ جس میں وہ جائیں گے وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو سرگوشی ظلم وزیادتی اور رسول کی نافرمانی کی مت کیا کرو۔ بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں پر سرگوشی کیا کرو۔ اس اللہ سے ڈرو کہ جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔''

اس طرح آداب مجلس میں سے یہ بھی ہے کہ مجلس سے کسی کو اٹھا کر خود اس کی جگہ پر نہ بیٹھا جائے۔ بلکہ مجلس کے اندر وسعت اور کشادگی پیدا کی جائے لیکن اگر حالات کا تقاضہ ہو کہ سکڑ کر بیٹھا جائے یعنی زیادہ افراد ہوں تو ایسی صورت میں ملکر بیٹھنا چاہیے، کیونکہ یہ دور دور بیٹھنے سے کہیں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١﴾ ﴾

(المجادلہ: ۱۱)

''اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ مجلس میں کشادگی پیدا کرو تو کشادگی پیدا کرلیا کرو، اور جب تمہیں کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو جاؤ تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مجلس میں کشادگی پیدا کرنی چاہیے۔ نہ کہ کسی کو اٹھا کر خود بیٹھ جانا چاہیے۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ اَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّقْعَدِهِ وَيَجْلِسُ فِيْهِ .)) [1]

''کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اٹھا کر خود اس کی جگہ پر نہ بیٹھے۔ بلکہ مجلس کے

[1] صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب لا یقیم الرجل اخاه......، رقم: ۹۱۱.

دائرہ کو فراخ اور کشادہ کرے۔''

آداب مجلس میں سے یہ بھی ہے کہ مجلس میں چیخ و چلا کر بات نہ کی جائے کیونکہ اس اندازِ گفتگو میں بے ادبی کا عنصر موجود ہے۔ اس انداز کی گفتگو سے بچنا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿وَ اقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ⑲﴾ (لقمان: ۱۹)

''اپنے چلنے میں میانہ روی رکھ۔ اور اپنی آواز پست کر۔ یقیناً سب سے بدتر و اونچی آواز گدھے کی آواز ہے۔''

غور فرمائیں کہ چیخ و چلا کر باتیں کرنا، اپنی آواز کو دوسروں کی آواز سے بلند کرنا کوئی قابل تحسین عمل نہیں ہے۔ بلکہ قرآن ہمیں یہ خبر دے رہا ہے کہ چیخنے و چلانے میں تو گدھا بھی بڑا ماہر ہے۔ لیکن اس کی آواز سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ زیادہ اونچی آواز میں گفتگو کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ نیز ایک مسلمان کے لیے آداب مجلس میں سے یہ بھی لازم ہے کہ مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کے رسول ﷺ پر درود پڑھیں یا پھر مجلس میں دینی امور پر بھی گفتگو ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس سے اللہ اور رسول ﷺ کا ذکرِ خیر ضرور آئے گا کہ جس کی وجہ سے یہ مجلس مبارک ہوگی، بصورت دیگر یہ مجلس تباہی و بربادی کا باعث اور شرمندگی کا سبب ہوگی۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ، وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً، فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ، وَاِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُمْ" . ))[1]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس مجلس

[1] سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب فی القوم یجلسون ولا یذکرون الله، رقم: ۳۳۸۰۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب کراهية ان يقوم الرجل......، رقم: ۴۸۵۶۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ۷۴.

میں لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے، اور نہ اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں وہ ان کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو عذاب دے، اور چاہے تو بخش دے۔

((عن عبداللہ بن عمرو ابن العاص، اَنَّهُ قَالَ: كَلِمَاتٌ لَا يَتَكَلَّمُ بِهِنَّ اَحَدٌ فِي مَجْلِسِهِ عِنْدَ قِيَامِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اِلَّا كُفِّرَ بِهِنَّ عَنْهُ، وَلَا يَقُوْلُهُنَّ فِي مَجْلِسِ خَيْرٍ وَمَجْلِسِ ذِكْرٍ اِلَّا خُتِمَ لَهُ بِهِنَّ عَلَيْهِ، كَمَا يُخْتَمُ الْخَاتَمُ عَلَى الصَّحِيْفَةِ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ)) [1]

''سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چند کلمات ہیں جو کوئی انہیں اپنی مجلس سے اٹھتے ہوئے تین بار پڑھ لے تو یہ اس کے لیے کفارہ بن جائیں گے، اور جو کوئی انہیں اپنی مجلس کے دوران میں پڑھ لے وہ مجلس خیر کی یا ذکر کی ہو تو یہ اس کے لیے ایسے ہوں گے جیسے کسی تحریر کو مہر بند کر دیا گیا ہو (اس کے لیے اس کا اجر، اور گناہوں کا کفارہ ہونا محفوظ ہوگا۔ وہ کلمات یہ ہیں) "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ اِلَيْكَ." ''اے اللہ! تو اپنی تعریفوں سمیت پاک ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور میں تیری ہی طرف رجوع کرنے والا ہوں۔''

ان دونوں احادیث پر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ ایسی مجالس کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر خیر نہ ہو، وہ مجالس بدترین مردار کی طرح ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی مجلس یا مجالس میں ضرور دینی امور پر مبنی بات چیت کرے تاکہ اس نحوست اور وعید سے بچا جا سکے۔ آدابِ مجلس اور مذکورہ وعید سے بچنے کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی کفارہ المجلس، رقم: ٤٨٥٧ و٤٨٥٨ و ٤٨٥٩. (تین دفعہ کے الفاظ کے علاوہ یہ روایت صحیح ہے۔)

جب مجالس کو برخاست کیا جائے تو مجلس کے کفارے کی دُعا پڑھ لی جائے۔ اس سے مجلس مبارک ہو جائیگی کہ جس کا انجام بہت ہی عمدہ ہوگا۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَامِنْ قَوْمٍ یَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِیْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِیْفَةِ حِمَارٍ! وَكَانَ لَهُمْ حَسْرَةٌ".)) [1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ کسی مجلس سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیے بغیر اٹھ جاتے ہیں تو وہ ایسے ہیں جیسے وہ کسی مردار گدھے کے پاس سے اٹھے ہیں، اور یہ مجلس ان کے لئے حسرت کا باعث ہوگی۔''

کوشش کرنی چاہیے کہ آداب مجلس کا خیال کریں کیونکہ اس سے نیک نامی پیدا ہوتی ہے۔ اسی سے قوموں کی قدر ومنزلت کا تعین ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آدابِ مجلس کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

## آدابِ گفتگو:

کسی بھی شخص کی صلاحیت اور قابلیت کا اندازہ اس کی گفتگو سے ہوتا ہے۔ اگر اچھی اور عمدہ گفتگو کرتا ہوگا تو اس سے معلوم ہو جائے گا یہ شخص باسلیقہ اور اچھی صلاحیتوں کا حامل ہے لیکن اگر گفتگو غیر معیاری ہوگی تو اس سے معلوم ہو جائے کہ یہ شخص آدابِ گفتگو سے ناآشنا ہے کہ جس میں کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ اس وجہ سے حکماء کہتے ہیں پہلے تولو پھر بولو۔ یعنی جب بھی کلام کرنا مقصود ہو تو سب سے پہلے سوچو غور وفکر کرو اور مقصد کے بیان کے لیے مناسب الفاظ کا چناؤ کرو۔ اس سے آپ کی شخصیت انتہائی نکھر جائے گی۔ اور آپ کو اچھا مقام دلائے گی۔ یہی امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

((نَحْنُ اِلٰی قَلِیْلٍ مِنَ الْاَدَبِ اَحْوَجُ مِنَّا اِلٰی كَثِیْرٍ مِنَ الْعِلْمِ.)) [2]

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب کراهیة ان یقوم الرجل من مجلسه، رقم: ٤٨٥٥ـ سلسلة الصحیحة، رقم: ٧٧.

[2] مدارج السالکین، ٢/٣٥٦.

"ہمیں بہت زیادہ علم کی بجائے تھوڑے سے ادب کی زیادہ ضرورت ہے۔"
کیونکہ باادب گفتگو ایک انسان کو انتہائی عظیم بنا دیتی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ الْمُوْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرْجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ .)) [1]

"بے شک ایک مومن اپنے عمدہ اخلاق کی بدولت روزہ دار اور تہجد گزار کا درجہ پا لیتا ہے۔"

((عن ابى ثعلبة الْخَشَنِى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَىَّ وَاَقْرَبَكُمْ مِنَّى، مَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا، وَاِنَّ اَبْغَضَكُمْ اِلَىَّ وَاَبْعَدَكُمْ مِنِّى، مَسَاوِئُكُمْ اَخْلَاقًا، اَلثَّارُوْنَ، اَلْمُتَشَدِّقُوْنَ، اَلْمُتَفَيْهِقُوْنَ .)) [2]

"سیدنا ابو ثعلبۃ الخشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور (قیامت والے دن) میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے، جو تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں گے، اور تم میں سے سب سے زیادہ مجھے ناپسند یدہ (اور قیامت والے دن) مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے، جو برے اخلاق والے ہوں گے، جو تکلف سے زیادہ باتیں کرنے والے، ٹھٹھہ لگانے والے اور بہت زیادہ باتیں کرنے والے ہیں۔"

((عن ابى الدرداء ان النبى ﷺ قال: مَا شَیْءٌ اَثْقَلُ فِى مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ، وَاِنَّ اللّٰهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق رقم الحدیث: ٤٧٩٨، البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

[2] مسند احمد ٤/١٩٤، شیخ شعیب نے اسے "صحیح الإ سناد" کہا ہے۔

الْبَذِيِّ . ))[1]

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن مومن بندے کی میزان میں حسن اخلاق سے بھاری چیز کوئی نہیں ہوگی، اور یقیناً اللہ تعالیٰ بدزبان اور بے ہودہ گوئی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے۔''

یہ تمام کی تمام احادیث اسی بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ اچھی گفتگو یعنی اچھے اخلاق کی بدولت انسان بہت زیادہ اجر وثواب کو حاصل کر لیتا ہے۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک طرف رات بھر قیام کرنے والا ہے۔ اور دن کو روزہ رکھنے والا ہے۔ جبکہ دوسری طرف اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے والا ہے۔ یہ اچھی گفتگو کرنے والا رات بھر عبادت اور دن کو روزہ رکھنے والے کے ثواب کو حاصل کر لیتا ہے۔ یہ اجر وثواب محض اچھے اخلاق کی وجہ سے ہے۔ اس اجر وثواب کی وجہ سے ہی فرمایا گیا ہے کہ نامہ اعمال میں سب سے وزنی نیکی اچھا اخلاق ہوگی۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھے اخلاق کا حامل انسان سب سے زیادہ میرے نزدیک قیامت کے دن ہوگا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا أُخْبِرُکُمْ بِاَحَبِّکُمْ اِلَی اللّٰهِ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّی ، مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ؟ قَالُوْا: بَلٰی ، قَالَ: اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا . ))[2]

''کیا میں تمھیں ایسا شخص نہ بتاؤں جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور وہ قیامت کو میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا: ضرور بیان فرمائیں: آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا اخلاق سب سے عمدہ ہو۔''

غور فرمائیں! اچھے اخلاق والا رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ اور

---

[1] سنن ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق ، رقم: ۲۰۰۲۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ۸۷۶.

[2] صحیح ابن حبان ، رقم : ٤٨٥، ابن حبان نے اس کو ''صحیح'' کہا ہے۔

برے اخلاق والا، زیادہ باتیں کرنے والا، جسے آج کے دور میں عقلمندی کی دلیل سمجھا جاتا ہے حالانکہ زیادہ باتیں کرنا جو کہ بے مقصد ہوں، انتہائی حماقت ہے۔ ایسا شخص رسول ﷺ سے قیامت کے دن دور ہوگا۔ آپ ﷺ کا قرب اس کو حاصل نہ ہو سکے گا۔ اور آپ ﷺ کا قرب حاصل نہ ہونا بہت بڑا نقصان حرمان ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں، اور برے اخلاق سے اور بُری گفتگو سے اپنے آپ کو بچائیں۔ کیونکہ یہی عمل مفید ہے۔

((عن ابی ذر جندب بن جناده رضی اللہ عنہ وابی عبدالرحمن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ قال: اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ.)) [1]

''سیدنا ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ، اور ابوعبدالرحمٰن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھا کرو اور گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔''

آپ ﷺ یہاں برائی سے بچنے اور اچھی گفتگو کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں کیونکہ اس کا انجام اچھا ہے، اور مومن اپنے آپ کو برے اخلاق سے بچاتا ہے۔

((عن عبدالله، قال: قال رسول الله ﷺ: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْبَذِيِّءِ وَلَا الْفَاحِشِ.'' [2]

''سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن طعنہ دینے والا، لعنت کرنے والا، نازیبا گفتگو کرنے والا اور فحش گوئی کرنے والا نہیں ہوتا۔''

مومن کے اوصاف حمیدہ میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر قسم کی فضول اور

[1] سنن ترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ۱۹۸۷، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

[2] صحیح ابن حبان، کتاب الایمان، رقم: ۱۹۲، ابن حبان نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

بے ہودہ گفتگو سے بچاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کو معلوم ہے کہ بسا اوقات معمولی سی بات بھی بربادی کا سبب بن سکتی ہے۔ حالانکہ اس بات کی تباہی اور بربادی کا تصور تک بھی دل و دماغ میں نہیں ہوتا۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ : عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ ، وَاِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَهْوِيْ بِهَا فِيْ جَهَنَّمَ . ))[1]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ایک بات زبان سے نکالتا ہے، اسے وہ کوئی اہمیت بھی نہیں دیتا مگر اسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے درجے بلند کر دیتا ہے۔ اور ایک دوسرا بندہ ایک ایسا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے۔ وہ (شخص) اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم میں جا گرتا ہے۔''

غور فرمائیں! کہ ایک بات ہی تباہی اور بربادی کا سبب بن رہی ہے کہ جس بات کے متعلق بات کرنے والے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ گفتگو کرتے ہوئے انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کیا جائے۔ اگر ضرورت ہو تو گفتگو کریں، اگر ضرورت نہ ہو تو ہمیشہ اپنے آپ کو خاموش رکھیں۔ کیونکہ خاموشی میں نجات اور فضول گفتگو میں تباہی ہے۔

کلام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ گفتگو واضح اور اپنے معنی و مفہوم پر خوب دلالت کرنے والی ہو یعنی جو بات آپ سمجھانا چاہتے ہیں آپ کے کلام سے وہ بات سمجھ آجائے ایسی گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے کہ جو اپنے معنی اور مفہوم پر واضح نہ ہو۔ کیونکہ یہ انداز گفتگو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔

[1] صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، رقم: ٦٤٧٨.

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: كَانَ كَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَلَامًا فَصْلًا يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ.)) [1]

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو صاف اور واضح ہوتی، جسے ہر سننے والا سمجھ لیتا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو صاف اور بالکل واضح ہوتی تھی۔ مخفی اور مبہم گفتگو نہ ہوتی تھی کہ سامنے والا سمجھ ہی نہ سکے۔ اس لیے کہ ایسی گفتگو بے کار اور کلام کے آداب کے منافی ہے۔ کیونکہ کلام کا مقصد ہوتا ہے معنی اور مفہوم دوسروں کو سمجھانا، جو کہ اس کلام سے سمجھ آہی نہیں رہا۔ لہٰذا یہ کلام ہی نہیں ہے۔ بلکہ فضولیات ہیں کہ جن پر کان دھرنے سے وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کلام اور گفتگو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کلام اچھے انداز سے کی جائے یعنی کھلے ہوئے اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ۔ کیونکہ اس سے سامنے والے کو خوشی اور اطمینان حاصل ہوگا۔ اور وہ آپ کی بات پر سکون انداز سے سن سکے گا۔ اور خوب اچھے انداز سے سمجھ بھی سکے گا۔

((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنَّ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ.)) [2]

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھی نیکی کو ہرگز حقیر نہ جاننا اگرچہ تیرا اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا ہی کیوں نہ ہو۔"

((قال ابو هريرة عن النبى ﷺ "اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ".)) [3]

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی گفتگو نیکی ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان سے مسکرا کر ملنا، اور اچھی گفتگو کرنا بھی نیکی ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الهدی فی الکلام، رقم: ٤٨٣٩، البانی رحمہ اللہ نے اسے "حسن" کہا ہے۔

[2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب طلقة الوجه عند اللقاء، رقم: ٢٦٢٦.

[3] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب طیب الکلام، رقم: ٦٠٢٣.

اور گفتگو کے اچھے آداب میں سے ایک عظیم ادب ہے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ ہم گفتگو بھی اچھی کریں۔ اور جو با اخلاق گفتگو کے آداب ہیں۔ ان آداب کو بھی ہمیشہ اپنے مدِ نظر رکھیں۔ لڑائی اور جھگڑے والی گفتگو سے ہمیشہ اپنے آپ کو بچائیں۔ کیونکہ اس میں کامیابی ہے۔

((عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحًا وَبِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ .)) [1]

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کے لیے جنت کے اطراف میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دیا، اور اس شخص کے لیے جنت کے درمیان میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے مزاح کے طور پر بھی جھوٹ کا ارتکاب نہیں کیا، اور اس شخص کے لیے جنت کے بلند ترین حصے میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس کا اخلاق اچھا ہو۔"

غور فرمائیں کہ جو جھگڑا چھوڑ دے اس کے لیے جنت میں بہترین گھر ہے۔ لہٰذا لڑائی جھگڑے والی گفتگو سے ہمیشہ پرہیز کریں۔

## مزاح (خوش طبعی) کے آداب:

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جو کہ انسان کی ہر مشکل میں اور آسانی میں رہنمائی کرتا ہے۔ اور انسانی طبع کا ہر طور پر خیال کرتا ہے۔ یعنی اسلام دینِ فطرت ہے۔ اور انسان کو ہر وہ جائز کام کرنے کی اجازت دیتا ہے کہ جس سے انسان خوشی محسوس کرتا ہو۔ چنانچہ ایسے ہی امور میں سے خوش طبعی بھی ہے۔ خوش طبعی کا مطلب ہے مزاح یا مذاق کرنا۔ یعنی اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنا، لیکن خوش کرنے میں دروغ گوئی اور جھوٹ کا سہارا نہ لیا جائے کیونکہ جھوٹ کے سہارے سے لوگوں کو خوش کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ

[1] سنن ابوداوٗد، کتاب الادب، باب حسن الخلق، رقم : ۴۸۰۰۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ۴۸۰۰.

نے ارشاد فرمایا:

((وَیْلٌ لِلَّذِیْ یُحَدِّثُ بِالْحَدِیْثِ لِیُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَیَكْذِبُ، وَیْلٌ لَهُ وَیْلٌ لَهُ .)) [1]

''اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولتا ہے اس کے لیے ہلاکت ہے۔ اس کے لیے ہلاکت ہے۔''

لہٰذا ایسا مذاق کہ جو جھوٹ پر مبنی ہو قطعاً نہیں کرنا چاہیے۔ شریعت اسلامیہ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی۔ ہاں! ایسا مذاق یا مزاح کہ جو حقیقت پر مبنی ہو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ رسول مکرم ﷺ ایسا مزاح خود بھی کیا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ سے مزاح کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ: اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا .)) [2]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ بعض اوقات ہمارے ساتھ خوش طبعی کی باتیں کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ میں حق بات ہی کہتا ہوں۔

((عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَجُلًا أَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! احْمِلْنِی، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: إِنَّا حَامِلُوكَ عَلَی وَلَدِ نَاقَةٍ قَالَ: وَمَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ .)) [3]

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سواری

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الشهادات، رقم: ٢٣١٥، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔
[2] سنن الترمذی، کتاب البر والصلاة، رقم: ١٩٩٠۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ١٧٢٦.
[3] سنن ابو داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٩٩٨، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، سواری کے لیے میں تجھ کو اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس نے کہا میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونٹ کو بھی اونٹنی ہی جنتی ہے۔"

ایسے ہی ایک حدیث میں آتا ہے کہ،

"ایک بوڑھی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں کہ وہ مجھے جنت میں داخل کردے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (( يَا أُمَّ فَلَان! اِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوْزٌ)) "اے فلاں کی ماں! جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہیں ہوسکتی۔" بڑھیا یہ سن کر رنجیدہ ہوگئی اور روتے ہوئے واپس ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَخْبِرُوْهَا اِنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا وَهِيَ عَجُوْزٌ، اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: ﴿اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝﴾ (الواقعه: ۳۷) "اس خاتون کو خبر دو کہ وہ بوڑھی ہونے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہوگی (بلکہ جوان ہوکر داخل ہو گی)، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم نے ان (اہل جنت کی بیویوں) کو خاص طور پر بنایا ہے، اور ہم نے انھیں کنواریاں بنایا ہے، محبت والی اور ہم عمر ہیں۔" [1]

ان دلائل پر غور فرمائیں! کہ آپ ﷺ نے مذاق بھی کیا ہے لیکن حقیقت کے عین مطابق۔ ایک شخص نے سواری کے لیے اونٹ طلب کیا۔ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ ہم تجھے اونٹنی کا بچہ دیں گے۔ یہ آپ ﷺ نے مزاح و مذاق فرمایا ہے۔ لیکن یہ مزاح حقیقت کے عین مطابق ہے۔ اسی طرح بڑھیا سے کہا کہ جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی۔ یہ بھی آپ ﷺ نے مزاح فرمایا ہے۔ لیکن حقیقت کے بھی عین مطابق ہے۔ کیونکہ جنت میں

[1] الشمائل النبوية، للترمذي، رقم: ۲٤٠ ۔ الدر المنثور، ١٥٨/٦ ۔ مجمع الزوائد: ٤١٩/١٠ ۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے "حسن" قرار دیا ہے۔

داخلے کے وقت کوئی بوڑھی عورت بوڑھی نہ رہے گی۔ بلکہ جوان ہو جائے گی۔ یہ تمام روایات مزاح پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوش طبعی کر لیا کرتے تھے۔

''سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روٹی اور کھجوریں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اُدْنُ فَكُلْ)) ''قریب ہو جاؤ اور کھاؤ۔'' چنانچہ میں کھجوریں کھانے لگا۔ مجھے آشوبِ چشم تھا اور میری ایک آنکھ سرخ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: ((تَاْكُلُ تَمْرًا وَبِكَ رَمَدٌ)) ''کھجوریں کھا رہے ہو، حالانکہ تمہاری آنکھ خراب ہے!'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں اس آنکھ کی طرف سے نہیں کھا رہا ہوں جس میں مرض لاحق ہے، بلکہ دوسری جانب سے کھا رہا ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری بات سن کر مسکرانے لگے۔'' [1]

اس روایت پر غور فرمائیں کہ صہیب رضی اللہ عنہ نے کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوش طبعی کی۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مزاح کیا، اور صحابی رضی اللہ عنہ نے مزاح کا جواب مزاح سے دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت پر مبنی مزاح یا خوش طبعی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں! ایسے مزاح اور خوش طبعی سے قطعاً طور پر بچنا ضروری ہے۔ جو جھوٹ اور دوسروں کی عزت کو پامال کرنے پر مبنی ہو۔ کیونکہ اس میں تباہی ہی تباہی ہے۔



---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الطب، رقم: ٣٤٤٣، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' قرار دیا ہے۔

باب نمبر:8

# کھانے کے آداب

آدابِ طعام میں سے سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ رزقِ حلال کا انتظام کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ وَٱشْكُرُوا۟ لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾﴾ (البقرہ: ۱۷۲)

"اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں ان چیزوں کو کھاؤ۔ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر تم اسی کی ہی عبادت کرتے ہو۔"

اس آیت کے مفہوم پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ پہلے رزقِ حلال کے اہتمام پر زور دیا گیا ہے پھر عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رزقِ حلال کے بغیر کوئی عبادت اللہ کے ہاں مقبول نہیں۔ اسی چیز کی طرف اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾﴾ (المومنون: ۵۱)

"اے رسولوں کی جماعت! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔"

یعنی پہلے رزق حلال کا اہتمام کریں۔ حرام سے بچیں۔ حرام ہر اس مال کو کہیں گے کہ جس کو ناجائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو یا کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر حاصل کیا گیا ہو۔ جیسے رشوت، چوری، ڈکیتی، دھوکہ بازی، فراڈ اور سود کے ذریعے سے حاصل کیا گیا مال۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰا۟ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ (البقرہ: ۲۷۵، ۲۷۶)

''سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے۔ جسے شیطان چھو کر خبطی و پاگل بنا دے۔ یہ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے۔ تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے۔ اور سود کو حرام کیا ہے۔ جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ کی نصیحت سن کر رک گیا۔ اس کے لیے وہ ہے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جس نے پھر بھی کیا وہ جہنمی ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے۔ اور صدقہ کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ کسی ناشکرے اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ سود حرام ہے۔ سود کو اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے۔ سود سے برکت حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سود جیسی لعنت سے بچا جائے۔ نیز اس کے ساتھ ہر وہ چیز جو غیر اللہ کے نام پر دی گئی ہے، یا لی گئی ہے، وہ بھی قطعی طور پر حرام ہے۔ اس سے اپنے آپ کو بچانا بھی ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾﴾ (البقرہ: ۱۷۳)

''تم پر مردار، خون (بہتا ہوا)، سور کا گوشت اور وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے۔ پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ

تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت نے وضاحت کی ہے۔ مذکورہ چیزیں قطعاً حرام ہیں کہ جن سے بچنا ضروری ہے۔کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کھانا بسم اللہ پڑھ کر کھائیں۔اپنے سامنے سے کھائیں۔سیدھے ہاتھ کے ساتھ کھائیں۔آپ ﷺ نے عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو کھانے کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا تھا۔

((سَمِّ اللّٰهَ ، وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ . ))[1]

''کہ اللہ کا نام لے کر، داہیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

((اَلْبَرْكَةُ تَنْزِلُ وَسْطَ الطَّعَامِ ، فَكُلُوْا مِنْ حَافَتَيْهِ ، وَلَا تَأْكُلُوْا مِنْ وَسْطِهِ . ))[2]

''کہ برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے۔تو تم کھانے کے اطراف سے کھاؤ، اور درمیان سے نہ کھاؤ۔''

ان دونوں احادیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ''بسم اللہ'' پڑھ کر، داہنے ہاتھ سے، اپنے سامنے سے اور کھانا کنارے سے کھانا چاہئے۔اور درمیان سے کھانا اٹھانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔کیونکہ درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔نیز الٹے ہاتھ سے کھانا یا پینا آداب طعام کے منافی ہے۔جس سے بچنا از حد ضروری ہے۔اسی طرح ٹیک لگا کر کھانا کھانا بھی آداب طعام کے منافی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عن ابی جحیفة یقول قال رسول اللہ ﷺ "اِنِّی لَآكُلُ مُتَّكِئًا". ))[3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، رقم: ٥٣٧٦۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربه، رقم: ٢٠٢٢.

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الاشربه، رقم: ٣٧٧٢۔ سنن ترمذی، کتاب الاطعمه، رقم: ١٨٠٥، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، رقم: ٥٣٩٨.

''میں کھانا ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔''

کیونکہ یہ متکبرین کی علامت ہے۔ جس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

## کھانے کے بعد کی دُعا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِی هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّی وَلَا قُوَّةً .)) [1]

**فضیلت**......: کھانا کھانے کے بعد جو شخص یہ دعا پڑھتا ہے اس کے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔

## مہمان اور مہمان نوازی کے آداب:

اچھی قوموں کے امتیازی اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مہمان کی خوب عزت وتکریم و خاطر مدارت کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے بھی مہمان نوازی کی خوب تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ .)) [2]

''کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''

اور ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مہمان اپنی مہمان نوازی کے بقدر زبردستی بھی لے سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مہمان نوازی ضروری ہے، اور اس کی اپنی طاقت کے مطابق عزت وتکریم بھی ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ جَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَیْفِیْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾﴾ (الحجر: ٦٧۔٦٩)

''شہری لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ لوط نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم

[1] سنن الترمذی، کتاب الدعوات، رقم: ٣٤٥٨، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: ٦٠١٩۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ٤٨.

مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوانہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوانہ کرو۔‘‘
یعنی مہمانوں کی قدر نہ کرنا ان کی عزت نہ کرنا ایک عار ہے۔تم میرے مہمانوں کو ذلیل کر کے مجھے رسوا تو نہ کرو، بلکہ ان کی عزت کرو، کیونکہ مہمان کی بقدر طاقت عزت کرنا اچھے لوگوں کی پہچان ہے۔

﴿هَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٤﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ إِلٰىٓ أَهْلِهِ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهُۥٓ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٢٧﴾﴾ (الذاريات : ٢٤-٢٧)

’’کیا تجھے ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی۔ جب ان کے ہاں پہنچے تو سلام کیا تو ابراہیم نے سلام کا جواب دیا، اور کہا یہ تو اجنبی لوگ ہیں۔ پھر چپ چاپ اپنے گھر والوں کی طرف گئے، اور ایک فربہ بچھڑا بھون کر لائے، اور کہا تم اسے کھاتے کیوں نہیں ہو۔‘‘

ان آیات پر غور فرمائیں! کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں کی عزت وتکریم کیسے کرتے ہیں؟ کہ گھر میں موجود بچھڑے کو ذبح کر لیا۔ تاکہ مہمانوں کی مہمان نوازی خوب بہتر طریقے سے کی جا سکے۔ مہمان نوازی کے اس انداز میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ مہمان کی مہمان نوازی کے لیے جو کچھ اپنی طاقت کے مطابق کر سکتے ہو کر گزرو۔ ہاں! اگر یہ پوچھنا شروع کر دیا جائے کہ جی آپ کیا کھائیں گے، آپ کیا پئیں گے؟ اس طرح پوچھنا اگرچہ مہمان بے تکلف دوست سے تو شاید ایسا کرنے میں حرج نہ ہو۔ بصورت دیگر یہ انداز قطعاً پسندیدہ یا اچھا نہیں ہے کیونکہ مشہور قول ہے کہ ’’مہمان تو بے زبان ہوتا ہے‘‘ مہمان بے چارہ اپنی شرما شرمی میں بھوکا ہی رہ جاتا ہے۔ اور میزبان اپنے اس انداز سے اپنے پیسے اور کھانا بچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے جو کہ قطعاً غلط ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس انداز سے بچا جائے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکات نازل ہوں۔

## میانہ روی بلند اخلاق لوگوں کی نشانی ہے:

زیادتی اور غلو کسی بھی کام میں انتہائی نقصان دہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾

(المائدہ : ۷۷)

''اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو۔ اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں اور بہت سوں کو گمراہ کر چکے ہیں، اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔''

یعنی غلو اور زیادتی تباہی کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ میانہ روی کے اندر خیر ہی خیر ہے۔ چنانچہ:

((حدثنا ابو ظبية، ان عمرو بن العاص قال يوما۔ وقام رجل فاكثر القول۔ فقال عمرو: لو قصدفي قوله لكان خيرا له، سمعت رسول الله ﷺ يقول: لَقَدْ رَأَيْتُ اَوْ اُمِرْتُ اَنْ اَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ، فَاِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ.)) [1]

''جناب ابو ظبیہ سے مروی ہے کہ ایک دن ایک آدمی نے خطاب کیا اور بہت باتیں کیں۔ تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر یہ اپنی گفتگو میں میانہ روی اختیار کرتا تو اس کے لیے بہت بہتر ہوتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: تحقیق میں نے سمجھا ہے یا (فرمایا کہ) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ گفتگو میں میانہ روی اختیار کروں۔ بلاشبہ میانہ روی سراسر خیر ہے۔''

[1] سنن ابو داؤد، کتاب الأدب، رقم: ۵۰۰۸، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن الاسناد'' کہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے میانہ روی کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((عبدالله بن عباس ، ان نبی الله ﷺ قال: اِنَّ الْهَدْىَ الصَّالِحَ وَالسَّمْتَ الصَّالِحَ وَالْاِقْتِصَادَ: جُزْءٌ مِنْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ . )) [1]

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: نیک چلن، عمدہ کردار اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں حصہ ہے۔''

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ میانہ روی اختیار کرنا کتنا عظیم کام ہے کہ یہ نبوت کے اہم ترین کاموں میں سے ایک کام ہے۔ اسی وجہ سے اللہ کے بندوں نے ہمیشہ میانہ روی کو ہی اپنا شعار بنایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور صالح بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝۶۷﴾ (الفرقان : ٦٧)

''اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو زیادتی کرتے ہیں، نہ بخیلی کرتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل راہ اپناتے ہیں۔''

غور فرمائیں! کہ اللہ کے بندے نہ تو زیادتی کرتے ہیں، اور نہ ہی کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بلکہ ضرورت کے بقدر خرچ کرتے ہیں لیکن مال کو ضائع کرنے سے بھی بچتے ہیں ایسے ہی لوگ کامیاب ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے۔ کہ میانہ روی اپنائیں۔ غلو اور زیادتی سے اپنے آپ کو بچائیں۔ آمین!



[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٧٧٦ ۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔


اچھے اخلاق

باب نمبر:1

# تزکیہ نفس

تزکیہ نفس کا مطلب ہے اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرنا۔ گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ انسان جب گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو اپنے لیے واجب کر لیتا ہے۔ جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت کی بربادی کی شکل میں نکلتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلی قوموں کو گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد کیا ہے۔ جس کا ذکر قرآن حکیم نے بارہا مقامات پر کیا ہے۔ اس وجہ سے لازم ہے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچایا جائے، اور اپنا تزکیہ کیا جائے یعنی گناہوں کو چھوڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اس کام سے انسان کو روکا ہے جو اس کو گناہوں کی طرف لے جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾﴾ (النور: ۳۰، ۳۱)

''مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں۔ یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے۔ لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے۔ مسلمان عورت سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے، اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھینوں کے بکل مارے رہیں، اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے خاوند کے، یا اپنے والد، یا اپنے بھائی کے، یا اپنے خسر کے، یا اپنے لڑکوں، یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے، یا بھتیجوں کے بھانجوں کے، اور اپنے میل جول کی عورتوں کے، اور غلاموں و خادم مردوں کے جو عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں اور ایسے لڑکے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں۔''

غور فرمائیں کہ اس آیت میں مومن مردوں اور عورتوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ گناہ کے لیے جو ابتدائی سامان ہے اور گناہ پر آمادہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ وہ یہی نگاہ ہے اس وجہ سے گناہ تک لے جانے والے راستے سے ہی روک دیا گیا ہے۔ تاکہ تزکیہ نفس پر کوئی آنچ نہ آجائے۔ اور مومنوں کو ایسے کاموں کی طرف رہنمائی کی ہے کہ جن کاموں کو بروئے کار لاکر ایک انسان اپنا خوب تزکیہ کرسکتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝﴾ (الصف: ۲، ۳)

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں اس طرح کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔''

یعنی رات کو اٹھ کر عبادت کرنا، تہجد کا اہتمام کرنا، یہ انسان کے نفس کی شرارتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ کہ جس سے نفس انسانی کا تزکیہ ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ مہربان نے خوب عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸﴾

(نشرح: ۷، ۸)

''پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں خوب محنت کر، اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کر۔''

یعنی خوب عبادت کر، تیری یہ کوشش اور محنت تجھے بہت سے گناہوں سے بچا لے گی۔ کیونکہ انسان جیسی کوشش کرتا ہے اس کو ویسے ہی راستہ پر چلا دیا جاتا ہے۔

﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝۳۹ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝۴۰﴾

(النجم: ۳۹، ۴۰)

''اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جسکی کوشش خود اس نے کی، اور یہ کہ بے شک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائیگی۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵﴾

(المائدہ: ۱۰۵)

''اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ راستے پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں، اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے۔ پھر وہ تم کو بتلائے گا جو تم کرتے رہے ہو۔''

ان دونوں آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسان جو کوشش کرتا ہے اس کو وہی چیز عطاء کر دی جاتی ہے، لہٰذا اپنی کوشش اور فکر پر خوب غور کر لو کہ تم نیک اور صالح لوگوں والا راستہ اپناتے ہو یا ظالموں اور بدبختوں والا کہ جن کے نفس پراگندہ ہو چکے ہیں۔ اگر کوشش اچھی ہوگی تو نتیجہ بھی اچھا نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ تزکیہ نفس کی وجہ سے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں عطا کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝﴾ (النازعات: ٤٠، ٤١)

''اور جو اپنے رب کے مقام سے ڈرا، اور اپنے نفس کو خواہش کی اتباع سے روکا، تو بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہوگی۔''

﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝﴾

(النجم: ٣٢)

''ان لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں، اور بے حیائی سے بھی، سوا کسی چھوٹے سے گناہ کے۔ بے شک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے۔ وہ تمہیں بخوبی جانتا جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔ بس تم اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو۔ وہی پرہیز گار کو خوب جانتا ہے۔''

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ جو رب سے ڈر جائے یقیناً وہ گناہوں سے پاک و صاف ہوگا جس کا نتیجہ جنت اور بخشش کی شکل میں ملے گا۔ لیکن یہ نتیجہ حقیقی تزکیہ سے حاصل ہوگا۔ محض دعووں سے نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کے آخر میں ہی اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ کہ تم اپنا تزکیہ خود بیان کرتے نہ پھرو بلکہ اللہ خوب جانتا ہے۔ پاک و صاف کون ہے۔ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ہم حقیقی طور پر گناہوں کو چھوڑ دیں۔ تاکہ تزکیہ نفس ہو۔ جس کا فائدہ دنیا اور آخرت میں حاصل ہوگا۔



باب نمبر:2

# نیکیوں کی طرف جلدی کرنا

نیکی چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضا کا سبب ہے، اور انسان ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج ہے۔ اسی وجہ سے ضروری ہے کہ نیکی کی طرف توجہ دی جائے۔ نیکی کی طرف اس وجہ سے بھی جلدی کرنی چاہیے کہ نیکی میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۝۴۶﴾ (حم السجدة : ٤٦)

''کہ جس نے نیک عمل کیے تو اس نے اپنے لیے کیے، اور جس نے برے عمل کیے تو (برائی کا وبال) اسی پر ہے۔ تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ﴾ (بنی اسرائیل : ٧)

''کہ نیکی کرو گے تم اپنے لیے نیکی کرو گے اور اگر تم برائی کرو گے تو بھی اپنے لیے ہی (یعنی اپنا ہی نقصان کرو گے)۔''

ان دونوں آیات سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ انسان نیکی اپنے لیے ہی کرتا ہے۔ اس نیکی میں اس کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ تو ضروری ہے کہ نیکی کے لیے جلدی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (البقرہ: ١٤٨)

''کہ تم نیکیوں کے لیے جلدی کرو۔ کیونکہ نیکی دنیا اور آخرت میں مفید ہے۔''

چنانچہ:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً يُعْطٰى بِهَا فِي الدُّنْيَا وَيُجْزٰى بِهَا فِي الْآخِرَةِ، وَاَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى اِذَا اَفْضٰى اِلَى الْآخِرَةِ، لَمْ تَكُنْ لَهٗ حَسَنَةٌ يُجْزٰى بِهَا.)) [1]

''آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کسی مومن پر اس کی نیکی کے معاملے میں ظلم نہیں کرتا۔ اس کی نیکی کا بدلہ دنیا میں دیا جاتا ہے، اور آخرت میں بھی اسے اچھا بدلہ ملے گا۔ لیکن کافر کو اس کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے، اور آخرت میں اس کے پاس کوئی عمل ایسا نہیں ہوگا جس پر اسے بدلہ دیا جائے۔''

غور فرمائیں کہ مومن کو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں نیکیوں کا فائدہ ہے، دنیا میں بھی امن وسکون میسر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (النحل: ۹۷)

''جو شخص ایمان لا کر نیک عمل کرے چاہے مرد ہو یا عورت۔ تو ہم اسے ضرور نہایت ہی بہتر زندگی عطاء فرما دیں گے، اور ان کے نیک اعمال کا بدلہ بھی ان (کے اعمال) سے بہت ہی بہتر دیں گے۔''

یعنی نیکی کا بدلہ یہ ہے کہ حیات طیبہ مل رہی ہے جس سے دنیا کی زندگی میں امن وسکون پیدا ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں جنت الفردوس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ

[1] صحيح مسلم، كتاب التوبة، رقم: ۲۸۰۸.

نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ (الکھف: ۱۰۷)

''بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل ان کے لیے جنت الفردوس بطور مہمان نوازی تیار ہے۔''

دو جہانوں کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ نیکی کی طرف جلدی کریں۔ اس نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خوب اپنے فضل و احسان سے نوازتا ہے۔ کہ نیکی کرنے کے ارادہ پر بھی نیکی کا ثواب عطاء فرما دیتا ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: يَقُولُ اللَّهُ إِذَا أَرَادَ عَبْدِی أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَلَا تَكْتُبُوهَا عَلَيْهِ حَتَّى يَعْمَلَهَا فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا بِمِثْلِهَا ، وَإِنْ تَرَكَهَا مِنْ أَجْلِی فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً ، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ .))[1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ جب میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے اس کے خلاف نہ لکھو حتیٰ کہ وہ برائی کر لے۔ اگر کر لے تو ایک گناہ ہی لکھو اور اگر میری وجہ سے اس گناہ کو ترک کر دے تو اس کی ایک نیکی لکھ لو اور اگر کسی نیکی کا ارادہ کرے اور وہ نیکی نہ کر سکے تو محض ارادہ کی وجہ سے بھی ایک نیکی لکھ لو، اور اگر وہ نیکی کر لے تو دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھ لو۔''

غور فرمائیں کہ نیکی کے ارادہ سے ہی نیکی کا ثواب مل جاتا ہے اگر توفیق مل جائے تو دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اجر و ثواب ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و احسان کی دلیل ہے۔ جس کی طرف اشارہ رسول اللہ ﷺ نے اس روایت میں کیا ہے۔

((عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ ، ان النبی ﷺ قال: اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، رقم: ۷۵۰۱.

بِعَبْدٍ خَیْرًا یَسْتَعْمِلْهُ ، قِیْلَ: کَیْفَ یَسْتَعْمِلُهُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: یَوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ . )) ❶

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے لئے خیر چاہتے ہیں اس سے کام لیتے ہیں، پوچھا گیا کس طرح کام لیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت سے پہلے اس کو نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔''

عمل صالح کی توفیق ملنا ہی اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے نیکی اور آخرت کی زندگی آسان فرما دیتا ہے۔ نیز نیکی کی وجہ سے برائیوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔

((عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال لی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: اِتَّقِ اللّٰهَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا ، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ . )) ❷

''سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: تو جہاں کہیں بھی ہو ایک اللہ سے ڈر اور برائی کے بعد نیکی کر۔ نیکی برائی کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آ۔''

اور نیکی کا ایک عظیم فائدہ یہ بھی ہے کہ نیکی طرف رہنمائی کرنے سے اتنا ہی ثواب مل جاتا ہے کہ جتنا نیکی کرنے والے کو ملتا ہے۔ اور دونوں میں سے کسی کے ثواب میں بھی کمی نہیں کی جاتی۔

((عَنْ اَبِی مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: اِنِّی اُبْدِعَ بِی فَاحْمِلْنِی فَقَالَ: مَا عِنْدِی فَقَالَ رَجُلٌ:

---

❶ صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، رقم: ۳۴۱، ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

❷ سنن الترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی معاشرة الناس، رقم: ۱۹۸۷، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

يَارَسُولَ اللّٰهِ! اَنَا اَدُلُّهٗ عَلٰى مَنْ يَّحْمِلُهٗ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ.)) ❶

''سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا میرا جانور مر گیا ہے، مجھے سواری دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس سواری نہیں۔ تو ایک شخص بولا اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے ایسے شخص کے بارے میں بتاؤں جو اسے سواری دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی کی رہنمائی کرنے والے کے لیے نیکی کرنے والے کے برابر اجر ہے۔''

((عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ''مَنْ دَعَا اِلٰى هُدًى كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُورِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا اِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا.)) ❷

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ہدایت کی دعوت دیتا ہے اس کو ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملتا ہے جو اس ہدایت کی پیروی کرتے ہیں، اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جو گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے اس کو ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ملتا ہے جو اس گمراہی کی پیروی کرتے ہیں، اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں کی جاتی ہے۔''

ان دونوں احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی جو بھی نیکی کی طرف رہنمائی کرے گا۔ اس کو بھی نیکی کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی مومن کے لیے مفید ہی مفید ہے۔ لہٰذا نیکی کی طرف خوب توجہ دینی چاہیے۔ اور نیکی کا جو بھی مقصد مل جائے اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے فی الفور نیکی کرنی چاہیے۔ واللہ ولی التوفیق

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الامارة، رقم: ١٨٩٣.

❷ صحيح مسلم، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ٢٦٧٤.

باب نمبر:3

# نیک لوگوں کی صحبت

طبعی طور پر انسان کو کسی نہ کسی سے محبت ضرور ہوتی ہے۔ یہ محبت اگر اچھے لوگوں کے ساتھ ہو تو اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے۔لیکن اگر محبت بُرے لوگوں کے ساتھ ہو تو انجام بھی برا ہوتا ہے۔سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السَّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيرِ الْحَدَّادِ، لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيهِ أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ، وَكِيرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ أَوْ ثَوْبَكَ، أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً.)) [1]

''اچھے اور بُرے دوست کی مثال ایسے ہے کہ جیسے ایک کستوری رکھنے والا اور دوسرا بھٹی میں آگ بھڑکانے والا ہے، کستوری والا تجھے کستوری کا تحفہ دے گا، یا تو اس سے کستوری خریدے گا یا پھر کم ازکم تو اس سے بہترین خوشبو پائے گا۔اور بھٹی کو بھڑکانے والا تیرا بدن یا کپڑے جلائے گا یا اس سے تو بدبو پائے گا۔''

یعنی بُرے دوست سے برائی ہی ملے گی۔کبھی اچھائی کی امید نہیں ہوسکتی۔لٰہذا برے لوگوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٦٨﴾﴾ (الانعام: ٦٨)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب البیوع، رقم: ۲۱۰۱.

''اور جب آپ ان کو دیکھیں یہ ہماری آیات میں عیب جوئی کرے تو میں تم لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مصروف ہو جائیں، اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھنا۔''

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بُروں کی رفاقت سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا انجام بھی برا ہے۔ جبکہ نیک اور صالح لوگوں سے دوستی کا انجام اچھا ہے۔ اسی وجہ سے مومنوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ نیک اور صالح لوگوں کو اپنا دوست بنایا کرو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((عن ابی سعید رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ .)) [1]

''سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: صرف مومن آدمی کی صحبت اختیار کر، اور تیرا کھانا بھی کوئی متقی ہی کھائے۔''

یعنی کوشش کرنی چاہیے کہ نیک لوگوں کو کھانے کے لیے دعوت دی جائے، اور اس کے ساتھ نیک اور صالح لوگوں کی ہی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ کیونکہ ان کی صحبت سے فائدہ ہی فائدہ حاصل ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱﴾

(التوبہ: ۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کی عمدہ معاون اور دوست ہیں اور وہ بھلائیوں کے حکم دیتے ہیں، اور برائیوں سے روکتے ہیں اور نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اور زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول

[1] سنن الترمذی، کتاب الزھد، رقم: ۲۳۹۵، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

کی بات مانتے ہیں۔ یہی لوگ جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

غور فرمائیں کہ مومن مرد ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اسی طرح مومنہ عورتیں بھی آپس میں ایک دوسرے کی دوست ہیں۔ ان لوگوں کی دوستی کا کیا فائدہ ہے؟ ان کی دوستی کا فائدہ یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کی باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ عظیم لوگ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: لَمَّا بَعَثَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَی الْیَمَنِ، خَرَجَ مَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُوْصِیْهِ، وَمُعَاذٌ رَاکِبٌ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَمْشِیْ تَحْتَ رَاحِلَتِهِ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: یَا مُعَاذُ، اِنَّكَ عَسَی اَنْ لَا تَلْقَانِی بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا، وَلَعَلَّكَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِیْ هٰذَا اَوْقَبْرِیْ، فَبَکٰی مُعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ الْتَفَتَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهِ نَحْوَالْمَدِیْنَةِ۔ فَقَالَ: اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ الْمُتَّقُوْنَ، مَنْ کَانُوْا وَحَیْثُ کَانُوْا.)) [1]

''سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کی طرف بھیجا تو رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ نکلے، وہ ان کو وصیت کر رہے تھے۔ معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کی سواری کے ساتھ چل رہے تھے۔ جب آپ ﷺ (وصیت سے) فارغ ہوئے تو فرمایا: اے معاذ! ہوسکتا ہے کہ تم اس سال کے بعد مجھ سے نہ مل سکو، یا شائد تم میری اس مسجد یا قبر سے گزرو۔ تو معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے رنج میں رو پڑے۔ پھر وہ مڑے اور انھوں نے اپنا رخ مدینہ کی طرف کرلیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک میرے سب سے زیادہ قریب متقی لوگ ہیں، وہ جو کوئی بھی ہوں اور جہاں

[1] مسند احمد: ۵/۲۳۵، شیخ شعیب نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

کہیں بھی ہوں۔‘‘

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ پرہیز گار لوگ ہی اچھے انسان ہوتے ہیں۔ انہی لوگوں کو اپنی محبت اور دوستی کے لیے منتخب کرنا چاہیے۔ کیونکہ انہی کی دوستی مفید ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ، وَاَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ .)) [1]

’’آدمی (قیامت کے دن میدان محشر اور انجام کے لحاظ سے) اس کا ساتھی ہوگا جس سے محبت رکھتا ہوگا، اور تو بھی اس کے ساتھ ہوگا جسے محبوب رکھے گا۔‘‘

اس حدیث پر غور فرمائیں اور اس کے مفہوم پر بار بار غور کریں کہ دوستی اور محبت ایک انسان کے انجام پر کس قدر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر نیک لوگوں سے محبت ہے تو انجام اچھا ہے۔

﴿اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾﴾ (الزخرف: ٦٧، ٦٨)

’’اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیز گاروں کے اے میرے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم ہے‘‘

اور بُرے لوگوں سے محبت ہے تو انجام بھی بہت ہی بُرا ہے۔ لہٰذا پیار و محبت کے لیے ہمیشہ اچھے لوگوں کا انتخاب کریں کیونکہ

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالع ترا طالع کند

اچھے لوگوں کی صحبت انسان کو اچھا بنا دیتی ہے، جبکہ بُرے لوگوں کی صحبت انسان کو بُرا بنا دیتی ہے۔ اس انجام پر غور و فکر کر کے دوستوں کا انتخاب کیجیے۔



[1] سنن ترمذی، کتاب الزھد، رقم: ٢٣٨٥، البانی رحمہ اللہ نے اسے ’’صحیح‘‘ کہا ہے۔

باب نمبر:4

# مسکراتے ہوئے دیکھنا، بولنا اور ملنا

ایک مسلمان کی اچھی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بھائی سے اچھے انداز کے ساتھ ملے یعنی کھلے ہوئے اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ۔ یہ عمل بھی اللہ کے نزدیک قابل قدر ہے۔ چنانچہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

((عن ابی ذر، قَالَ: قَالَ لِیَ النَّبِیُّ ﷺ: لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا، وَلَو اَنْ تَلْقٰی اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ .)) [1]

"سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: نیکی میں کسی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ تو اپنے بھائی سے کشادہ پیشانی کے ساتھ ملے۔"

یعنی خوش ہو کر ملنا بھی معمولی نیکی نہیں ہے۔ یہ نیکی بھی ایمان کی تصدیق ہے، اور صدقہ ہے۔

((عَنْ أَبِی ذَرٍّ رضی اللہ عنہ: قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ تَبَسُّمُكَ فِی وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِی أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِیءِ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَةَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِی دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ .)) [2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، رقم: ٦٢٢٦.

[2] سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ١٩٥٦ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ٥٧٢.

''سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا اپنے بھائی سے ہنستے ہوئے ملنا، بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، بھٹکے ہوئے راہی اور کمزور نگاہ والے کی رہنمائی کرنا، اور راستے سے پتھر، کانٹے اور ہڈی جیسی ضرر رساں چیزوں کا ہٹا دینا صدقہ ہے، نیز اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈالنا صدقہ ہے۔''

ان دونوں روایات سے معلوم ہوا کہ مسکرا کر ملنا صدقہ ہے۔ جو کہ نیکیوں میں سے عظیم نیکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مسکرا کر ملا کرتے تھے اور پیشانی پر کبھی تیور نہ ڈالتے تھے۔

((عن عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ بن جزء یقول: مَارَأَیْتُ اَحدًا کَانَ اَکْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم .))

''سیدنا عبداللہ بن الحارث بن جز رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

((عَنْ عَائِشَةِ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: مَا رَأَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم: مَسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِکًا حَتَّی اُرَیٰ مِنْهُ لَهَوَاتُهُ، اِنَّمَا کَانَ یَتَبَسَّمُ .)) [2]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کھل کر کبھی ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق کا کوا نظر آنے لگتا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسکراتے تھے۔''

یہ دونوں روایات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹ کی واضح دلیل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملا کرتے تھے۔ کیونکہ اسی سے سامنے والے کو خوشی اور اطمینان ملتا

---

1. سنن الترمذی، کتاب المناقب، رقم: ٣٦٤١۔ مسند احمد: ٤/ ١٩٠، رقم: ١٧٧٠٤۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔
2. صحیح البخاری، کتاب الادب، رقم: ٦٠٩٢.

ہے جو کہ بذات خود ایک عظیم نیکی ہے۔ لہٰذا ہمیشہ کوشش کرنی چاہیے کہ مسکرا کر ملا کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی خوش اخلاقی کا اندازہ فرمائیں، حدیث میں آتا ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَجُلًا اِسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَلَمَّا رَآهُ قَالَ: بِـئْسَ أَخُو الْعَشِيْرَةِ، أَوْ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ ، فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ ﷺ فِيْ وَجْهِهِ وَانْبَسَطَ إِلَيْهِ ، فَلَمَّا اِنْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ لَهُ عَـائِشَةُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! حِيْنَ رَأَيْتَ الرَّجُلَ قُلْتَ لَهُ كَذَا وَكَذَا ، ثُـمَّ تَـطَلَّقْتَ فِيْ وَجْهِهِ وَانْبَسَطْتَ إِلَيْهِ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "يَـا عَـائِشَةُ مَتَى عَهِدْتِنِيْ فَحَّاشًا؟ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ شَرِّهِ .)) [1]

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ آنحضرت ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ برا ہے فلاں قبیلہ کا بھائی۔ یا (آپ ﷺ نے فرمایا) کہ بُرا ہے فلاں قبیلہ کا بیٹا۔ پھر جب وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آ بیٹھا تو آپ اس کے ساتھ بہت خوش خلقی کے ساتھ پیش آئے۔ وہ شخص جب چلا گیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا یارسول اللہ! جب آپ نے اسے دیکھا تھا تو اس کے متعلق یہ کلمات فرمائے تھے، جب آپ اس سے ملے تو بہت ہی خندہ پیشانی سے ملے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! تم نے مجھے بدگو کب پایا۔ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن وہ بدترین لوگ ہوں گے جن کے شر کے ڈر سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔''

مذکورہ بالا حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ کی خوش اخلاقی کا ذکر ہے جس کا تعلق نہ صرف مسلمانوں بلکہ یہودیوں کے ساتھ بھی برابر تھا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خاص دشمنوں کے ساتھ بھی بداخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ یہی آپ کا بڑا ہتھیار تھا جس سے سارے کا سارا

[1] صحیح بخاری، کتاب الأدب، رقم: ٦٠٣٢.

عرب آپ کے زیر نگین ہوگیا۔ مگر افسوس! کہ اہل ایمان و اسلام نے گویا خوش خلقی اور خوش مزاجی کو بالکل فراموش کر دیا۔ الا ماشاء اللہ۔ اسی لیے آج اہل اسلام میں خود آپس ہی میں اس سر پھٹول رہتی ہے کہ اللہ کی پناہ، کاش! مسلمان ان احادیث کا بغور مطالعہ کریں۔

اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوست، دشمن سب کے ساتھ انسانیت اور اخلاق سے اور محبت سے پیش آنا یہ نفاق نہیں ہے، نفاق یہ ہے کہ مثلاً ان سے کہے میں دل سے آپ سے محبت رکھتا ہوں حالانکہ دل میں ان کی عداوت ہو۔

اس حدیث پاک سے یہ بھی استدلال ہے کہ انسان امر شرعی کی وجہ سے کسی کی حالت بد کو بیان کرسکتا ہے، جیسا کہ رواۃ پر جرح ہے اور ایسے ہی لوگوں کو دھوکے سے محفوظ رکھنے کی غرض سے بھی کسی کے عیب کو بیان کیا جاسکتا ہے۔ واللہ أعلم!

یہ آنے والا شخص مخرمۃ بن نوفل تھا، بعد میں مرتد ہوگیا، اور سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قیدی ہوکر آیا۔ اس طرح اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی۔ [1]



[1] فتح الباری: ۵۵۸/۱۰ـ۵۵۹، شرح بخاری، از علامہ داؤد راز دھلوی: ۴۴۷/۷.

باب نمبر:5

# شرم وحیاء

شرم وحیاء زندہ قوموں، اور سلیم طبع لوگوں کی علامت ہے۔اس لیے کہ جو قومیں مردار ہو جاتی ہیں ان میں شرمِ وحیاء نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس لیے شریعت اسلامیہ شرم وحیاء کو خاص اہمیت دیتی ہے۔ بلکہ شرم وحیاء کو ایمان کا ایک حصہ قرار دیتی ہے۔

((عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال: اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَسِتُّوْنَ شُعْبَۃً، وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَان.))[1]

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایمان کی ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں۔ اور حیا بھی ایمان کا حصہ ہے۔"

ایک دوسرے فرمان رسول ﷺ میں اس کی کھل کر وضاحت ہو جاتی ہے اور اس کے فوائد بھی سامنے آجاتے ہیں۔

((عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَان، وَ الْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّۃِ، وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِی النَّارِ.))[2]

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حیاء ایمان سے ہے، اور ایمان جنت میں (لے جاتا) ہے۔ فحش گوئی جفاء سے ہے، اور جفاء جہنم میں (لے جاتی) ہے۔"

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، رقم: ۹.

[2] سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، رقم: ۲۰۰۹، سلسلۃ الصحیحۃ، رقم: ۲۰۰۹.

ان ارشادات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ شرم و حیاء ایمان ہے جبکہ بے حیائی، فحش گوئی ایمان کے منافی چیزیں ہیں۔ جو کہ جہنم میں لے جانے کا باعث ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ شرم و حیاء کو ہمیشہ اپنایا جائے۔ کیونکہ یہی اچھی صفت اور خوبی ہے۔ کہ جو قوموں کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے، اور ان کو زندہ جاوید بنا دیتی ہے، اور جس قوم میں شرم و حیاء ختم ہو جاتی ہے وہ قومیں کبھی زندہ نہیں رہا کرتیں۔

((عن ابی مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: اِنْ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ : اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ .)) [1]

"سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ انبیاء کی تعلیمات میں سے جو بات لوگوں کے پاس محفوظ رہی ہے وہ یہی ہے کہ جب حیا نہ رہے تو جو جی چاہے کر۔"

((عن انس قال: قال رسول الله ﷺ : اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا ، وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ اَلْحَيَاءُ .)) [2]

"سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک ہر دین کی ایک خصلت ہوتی ہے، اور اسلام کی خصلت حیا ہے۔"

غور فرمائیں کہ بے حیائی انسان کو مجرم اور گناہوں کا دلدادہ بنا دیتی ہے، جبکہ حیاء انسان کو عظیم اور مبارک بنا دیتی ہے۔ کہ جس کی وجہ سے ایسے لوگ اور قومیں امتیازی حیثیت حاصل کر لیتی ہیں۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاء کو اسلام قرار دیا ہے۔ اور اسلام کی عظیم خصلت قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ ایسی مبارک چیز ہے کہ جو لوگوں کو مبارک اور خوبصورت بنا دیتی ہے۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((عن انس قال: قال رسول الله ﷺ : مَاكَانَ الْفُحْشُ فِي شَيْءٍ

[1] صحيح البخاری، كتاب أحاديث الأنبياء، رقم: ٣٤٨٣، ٣٤٨٤.

[2] سنن ابن ماجه، كتاب الذهد، رقم: ٤١٨١ ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ٩٤٠.

اِلَّا شَانَهُ ، وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ اِلَّا زَانَهُ . )) ❶

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز میں بھی بے حیائی ہوتی ہے وہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے، اور حیا جس چیز میں بھی ہو اسے زینت وخوبصورتی عطا کرتی ہے۔''

یعنی شرم و حیاء خوبصورتی اور بے حیائی اور فحش گوئی بدنما داغ ہے۔ جو کہ انسان کی سیرت کو بدصورت بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ شرم وحیاء کو اپنایا جائے اور بے حیائی و فحش گوئی سے اجتناب کیا جائے۔ تاکہ دنیا اور آخرت میں عزت نصیب ہو۔



❶ سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ۱۹۷٤، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

باب نمبر:6

# مصیبت زدہ سے اظہارِ ہمدردی

مصیبت زدہ شخص کو تسلی دینا، زندہ قوموں کی علامات میں سے ایک علامت ہے کہ ان کو ایک دوسرے کے درد کا احساس ہے۔ یہ کام بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ کہ جس نے اپنے مصیبت زدہ بھائی سے تعزیت کی تو اس کو اسی (مصیبت زدہ) کے برابر ثواب ملے گا۔ مصیبت پر صبر کرنے والے کا ثواب جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ تو یہی اجر و ثواب تعزیت کرنے والے کو مل جائے گا۔ جس سے اس کو ایک خاص عزت و تکریم حاصل ہوگی۔ چنانچہ حدیثِ نبوی ﷺ ہے کہ:

((مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَزِّى أَخَاهُ بِمُصِيبَةٍ إِلَّا كَسَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .)) [1]

”جو کوئی مومن اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر اسے تسلی دیتا ہے تو اللہ رب العزت اسے روز قیامت کرامت (عزت و تکریم) والے لباسوں میں سے ایک لباس پہنائے گا۔“

یہ عزت و تکریم کہ اس کو عمدہ ترین لباس پہنائے جائیں گے محض تعزیت کرنے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یہ مصیبت زدہ سے ہمدردی ہے۔ اور ہمدردی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ایسا ہی اجر و ثواب دیا کرتا ہے۔ اس لیے اللہ کے بندوں نے ہمیشہ ہمدردی اور خیر خواہی کی ہے، اور مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ سے بہترین اجر و

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، رقم: ١٦٠١ ـ سنن الكبرى، للبيهقي: ٤/ ٥٩، البانی رحمہ اللہ نے اسے ”حسن“ کہا ہے۔

ثواب پائیں۔ ہمدردی اور خیر خواہی پر مبنی انتہائی نصیحت آموز واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

''عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ بڑے مشہور محدث تھے۔ شام کے شہر طرسوس میں ان کا آنا جانا لگا رہتا تھا، عموماً رقہ نامی جگہ پر قیام ہوتا۔ وہاں ایک نوجوان ان کے پاس آتا، ان کی خدمت کرتا، ان کے ضروری کام نمٹاتا، اور ان سے حدیث کا درس لیتا۔ اس طرح اس سے انہیں خاصا انس ہوگیا۔ ایک دفعہ تشریف لائے تو خلاف معمول وہ نوجوان نظر نہ آیا۔ جلدی میں تھے، قافلے کے ساتھ نکل گئے۔ کچھ دنوں کے بعد واپس آئے تو آتے ہی لوگوں سے نوجوان کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ نوجوان مقروض تھا، جب قرض واپس نہ کر سکا تو قرض خواہوں نے اس پر مقدمہ کر دیا۔ چنانچہ اب وہ جیل میں ہے۔ سوال کیا کہ نوجوان پر کتنا قرض تھا؟ بتایا گیا کہ دس ہزار درہم تھا۔ اب عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اس آدمی کو تلاش کرنا شروع کیا جس کا اس نوجوان کے اوپر قرض تھا۔ رات گئے اس آدمی سے رابطہ ہو سکا، اس کو بلوایا، علیحدگی میں لے گئے اور کہنے لگے: میں تمہیں اس نوجوان کا قرض واپس کرنا چاہتا ہوں مگر اس کے لیے ایک شرط ہے۔ اس نے پوچھا: کیا شرط ہے؟ کہا: جب تک میں زندہ ہوں، اس نوجوان کو پتا نہیں چلنا چاہیے کہ اس کا قرض کس نے واپس کیا ہے۔ اس نے کہا: مجھے کیا اعتراض ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اس کو دس ہزار درہم ادا کر دیے۔ چونکہ رات کا وقت تھا اس لیے اس نوجوان کی قید سے رہائی کے امکانات اگلے دن ہی ممکن تھے۔ خود عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اسی رات اس شہر سے اگلے سفر پر تشریف لے گئے۔ اگلے دن اس نوجوان کو قید خانے سے رہا کر دیا گیا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ادھر ہی تھے اور اس کے بارے میں پوچھ رہے تھے تو اس کی محبت نے جوش مارا اور وہ اپنے استاد کو تلاش کرنے لگا۔ پوچھتا ہوا اگلی

بستی میں ان سے جا ملا۔ انھوں نے پوچھا: نوجوان تم کہاں تھے؟ میں تمھاری بستی میں تھا، آپ نظر نہیں آئے۔ اس نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! میں قرض کی مصیبت میں پھنس گیا تھا، اس لیے مجھے جیل جانا پڑا۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے پوچھا: مگر یہ تو بتاؤ کہ تم جیل سے کیسے رہا ہوئے؟ نوجوان نے تفصیل بتائی: کوئی اللہ کا نیک بندہ تھا، میں اسے نہیں جانتا۔ اس نے میرا قرض ادا کر دیا تو میرا مقدمہ واپس ہو گیا اور مجھے جیل سے رہائی ہو گئی۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہنے لگے: میرے عزیز! اس شخص کے لیے دعا کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھیں جیل سے رہا کیا۔ اس نوجوان کو انھوں نے احساس تک نہ ہونے دیا کہ اس کا قرض انھوں نے ادا کیا ہے۔ اسے قید خانے سے اپنی رہائی کی وجہ کا علم اس وقت ہوا جب عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔''[1]

اس واقعہ پر غور فرمائیں! کہ اس میں کس قدر بہترین انداز سے ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کیا گیا ہے۔ کہ اس کو معلوم تک نہ ہو سکا تا کہ کہیں وہ اس کو اپنی عزت نفس کے خلاف نہ سمجھے۔ اور یہ واقعہ ایفائے عہد میں بھی ایک عظیم مثال ہے۔

## تعزیت کی دُعا:

((اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهُ مَا اَعْطٰی وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ .))[2]

## مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھو:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ ، وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیلًا .))[3]

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۸/۳۸۶،۳۸۷۔ تاریخ بغداد: ۱/۱۵۸.

[2] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، رقم: ۱۲۸۴.

[3] سنن الترمذی، کتاب الدعوات، رقم: ۳۴۳۱، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

باب نمبر:7

# یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنا

اچھے معاشرے کے اوصاف حمیدہ میں سے یہ بھی ہے کہ وہ کمزور لوگوں کا خیال کرتے ہیں۔ تا کہ ان کی زندگی بھی اچھی گزر سکے، اور وہ معاشرے کے باعزت افراد میں شامل ہو جائیں، اوران کا احساس کمتری ختم ہو جائے۔ معاشرے کے کمزور افراد میں سے ہی ایک یتیم بھی ہے۔ یتیم وہ بچہ ہے کہ جس کے والدین بچپن میں فوت ہو جائیں۔ اب یہ بچہ چونکہ انتہائی شفقت کرنے والوں سے محروم ہو جاتا ہے، اور اپنے آپ کو بے آسراء اور بے سہارا محسوس کرتا ہے جس سے یہ بچہ بسا اوقات مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ اب ایسے موقع پر معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ اس بچے کا سہارا بنیں اس کی مشکلات اور پریشانیوں کو ختم کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کریں تا کہ اس کی مشکلات ختم ہو جائیں، اور یہ اچھی زندگی گزار سکے۔ اللہ تعالیٰ نے یتیم کا خیال کرنے کی خوب تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيمًا ﴿۱۲۷﴾﴾

(النساء: ۱۲۷)

”اور وہ آپ سے عورتوں کے بارے حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں اجازت دیتا ہے کہ جو تمہیں قرآن پاک میں سنایا جاتا ہے یتیم عورتوں کے بارے میں۔ جنہیں تم نہیں دیتے ان کا مقرر کردہ حق

مہر۔ اور ان کو نکاح میں لینا بھی نہیں چاہتے ہو اور بے بس بچوں کے بارے میں۔ اور یہ کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو، اور جو تم بھلائی کرو گے۔ اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۟ۙ ﴾ (النساء: ٣٦)

''اور اللہ کی عبادت کرو، اس کا شریک کسی کو مت بناؤ۔ ماں باپ سے نیکی کرو۔ اور قریبی رشتہ داروں کے، اور یتیموں، اور محتاجوں، اور نزدیکی ہمسایہ، اور غیر ہمسایہ، اور پاس بیٹھنے والے، اور مسافر، اور لونڈی اور غلام سے نیکی کرو۔ بلاشبہ ان لوگوں کو اللہ نہیں چاہتا جو بڑائی اور تکبر کرنے والے ہیں۔''

ان دونوں آیات میں یتیم کے ساتھ نیکی اور انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ یتیم کو بے سہارا سمجھ کر زیادتی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور بسا اوقات اپنے ہی دشمن بن جاتے ہیں۔ اور یتیم کا مال تک کھانے سے گریز نہیں کرتے۔ ان حرکات سے بچانے کے لیے یتیموں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی یتیم کے ساتھ زیادتی کرے اس کا مال کھائے تو اس کے لیے جہنم کی سزا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۟۠ ﴾ (النساء: ١٠)

''بلاشبہ جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ تو بس اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے۔''

یہ یتیم کے مال کو کھانے کی سزا ہے۔ اس طرح یتیم کے ساتھ سختی بھی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس کو اس سے بہت زیادہ صدمہ ہوگا کہ ایک والدین کا سہارا نہ رہا، اور دوسرا لوگ بھی دھکے دیتے ہیں۔ اس زندگی سے تو موت ہی اچھی ہے۔ اس صدمہ اور تکلیف کی شدت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بڑی سختی سے منع فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝١١﴾ (الضحی: ۹ تا ۱۱)

''پس جو یتیم ہو اس پر قہر وسختی نہ کریں، جو سوال کرنے والا ہو اس کو نہ جھڑکیں، اور جو آپ کے رب کی نعمت ہے تم اسے بیان کر۔''

اس آیت میں یتیم کے ساتھ سختی کرنے سے سے روکا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی سختی کرے تو اس کی سزا بڑی سخت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝١ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝٢﴾

(الماعون: ۱۔۲)

''کیا تم نے نہیں دیکھا جو روز جزا وسزا کو جھٹلاتا ہے، پس وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔''

اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ تباہی اور بربادی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یتیم کے ساتھ سختی کرنے سے اپنے آپ کو بچایا جائے، اور جہاں تک ممکن ہو یتیم کا سہارا بننا چاہیے۔ کیونکہ یہ انتہائی فضیلت والا عمل ہے۔

((عَنْ سهل بن سعد عن النبى ﷺ قَالَ: أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا، وَقَالَ بِأَصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطَى.)) [1]

''سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، اور آپ ﷺ نے

[1] صحیح البخاری، کتاب الادب، رقم: ۶۰۰۵.

شہادت اور درمیانی انگلیوں کے اشارہ سے بتایا۔“

غور فرمائیں کہ یتیم کی سرپرستی کرنے والے کو رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نصیب ہو گا۔ جو کہ یتیم کی سرپرستی انصاف کے اصولوں کے مطابق کرے یعنی اس کو اپنے بچوں کی طرح رکھے، اس کی ضروریات کا خیال رکھے، ایسا نہ ہو کہ یتیم کو غلام کی طرح رکھا جائے کہ جی گھر کے کام کاج کے لیے نوکر کی ضرورت تھی۔ چلو اب یتیم بچہ مل گیا ہے نیک نامی بھی ہو گی، اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے گھر کا کام بھی آسان ہو جائے گا۔ یہ صورت حال قطعاً مناسب نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لوگوں کو دھوکہ دے دیا جائے لیکن رب کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یتیم کے ساتھ احسان کیا جائے یہی کامیابی کا باعث بنے گا۔



باب نمبر:8

# مسلمانوں کی عزت کی حفاظت

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت کا محافظ ہے۔ اس پر یہ حق اسلام نے لازم قرار دیا ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ، وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ: یَكُفُّ عَلَیْهِ ضَیْعَتَهُ، وَیَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ .)) [1]

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن مومن کا آئینہ ہے، اور مومن مومن کا بھائی ہے۔ اس کے مال کا (نقصان ہوتا ہو تو) بچاؤ کرتا ہے، اور اس کی غیر موجودگی میں اس کی (عزت کی) حفاظت کرتا ہے۔"

یعنی اس کو ذلیل ہونے سے بچاتا ہے، نہ کہ اس کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر اس بات کو آپ ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے۔ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى صَلاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَاَكَلَ ذَبِیْحَتَنَا، فَذَلَكَ الْمُسْلِمُ الَّذِی لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ ذِمَّةُ رَسُوْلِهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِی ذِمَّتِهِ .)) [2]

"جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، ہمارا ذبیحہ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٩١٨ ـ سلسلة الصحیحة، رقم: ٩٢٦.

[2] صحیح البخاری، کتاب الصلاة، رقم: ٣٩١.

کھائے وہ مسلمان ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی پناہ حاصل ہے۔
لٰہذا اللہ تعالیٰ کی پناہ کی خلاف ورزی نہ کرو۔"

یعنی اس کی عزت و آبرو کی حفاظت ہر مسلمان پر لازم ہے۔ یہ حفاظت اللہ رب العزت اور رسول ﷺ کی طرف سے اسے فراہم کی گئی ہے۔ اس کو توڑنے کی کوشش مت کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو یہ انتہائی بڑا جرم ہوگا۔

((عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ : ......كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: مَالُهُ وَعِرْضُهُ وَدَمُهُ، بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْتَقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ.)) [1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ......ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا مال، عزت اور خون حرام ہے۔ بندے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔"

یعنی کسی کو حقیر یا معمولی جاننا یقیناً اس کی عزت کو کم کرنا ہے۔ جو کہ اس کو ذلیل کرنے کے مترادف ہے۔ ایسا کرنا حرام ہے، اور بہت بڑا جرم ہے۔ جس کا اندازہ عموماً نہیں کیا جاتا۔ اس گناہ کا اندازہ لگانے کے لیے ارشادات نبوی ملاحظہ فرمائیں:

((اَلرِّبَا اِثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ بَابًا أَدْنَاهَا مِثْلُ اِتْيَانِ الرَّجُلِ أُمَّهُ، وَإِنَّ أَرْبَى الرِّبَا اِسْتِطَالَةُ الرَّجُلِ فِي عِرْضِ أَخِيْهِ.)) [2]

"سود کے بہتر (72) دروازے ہیں، ان میں سب سے ہلکے درجے کا سود ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے، اور سب سے بڑا سود اپنے کسی مسلمان بھائی کی عزت پر زبان درازی کرنا ہے۔"

---

[1] سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ۱۹۲۷، البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔
[2] سلسلة الاحادیث الصحیحة، للالبانی، رقم: ۱۸۷۱.

ایک دوسری حدیث میں ہے:

(عن سعید بن زید عن النبی ﷺ قَالَ: اِنَّ مِنْ اَرْبَی الرِّبَا اَلْاِسْتِطَالَةَ فِی عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَیْرِ حَقٍّ . )) [1]

''سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑا سود (سب سے بڑی زیادتی) یہ ہے کہ انسان ناحق کسی کی عزت سے کھیلے۔''

ان احادیث نبویہ ﷺ پر غور فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ آبروریزی کرنا کتنا بڑا جرم ہے۔ ماں کے ساتھ کوئی بدبخت منہ کالا کرے تو یہ سب سے ہلکے سود کے برابر ہے۔ یعنی معمولی درجہ کے سود کے برابر گناہ ہے۔ لیکن اپنے بھائی کی بے عزتی کرنے کا گناہ سب سے بڑے سود کے برابر ہے۔ معمولی سود کا گناہ ماں کے ساتھ منہ کالا کرنے کے برابر جبکہ بڑے سود کا کیا گناہ ہوسکتا ہے۔ اس کا گناہ کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اپنے بھائی کی آبروریزی کرنا۔ اس کو ذلیل کرنے کی سزا بھی بڑی بدتر ہے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَمَّا عُرِجَ بِی مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ یَخْمُشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ یَا جِبْرِیلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِینَ یَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَیَقَعُونَ فِی أَعْرَاضِهِمْ . )) [2]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے جو اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ ہیں جو دوسرے لوگوں کا گوشت کھاتے، اور ان

---

[1] مسند احمد: ۱/۱۹۰۔ سنن أبوداؤد، کتاب الأدب، قم: ۴۸۷۶۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة، رقم: ۱۴۳۳، ۱۸۷۱.

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ۴۸۷۸۔ مسند احمد، رقم: ۲۲۴۳۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ۵۳۳.

کی عزتوں سے کھیلتے ہیں۔"

یہ جہنم کی سزا دوسروں کو ذلیل کرنے کی وجہ سے دی جا رہی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے بھائیوں کو ذلیل کرنے سے بچا جائے، اور ان کی عزت کا دفاع کیا جائے، ان کی موجودگی میں بھی اور ان کی غیر موجودگی میں بھی۔ کیونکہ یہی مومن کی شان ہے۔ اور یہی عمل مبارک عمل ہے۔

((عـن اسماء بنت يزيد رضي الله عنها قـالـت: قال رسول الله ﷺ : مَنْ ذَبَّ عَـنْ عِرْضِ اَخِيْهِ بِالْغَيْبَةِ ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ . ))[1]

"سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت سے برائی کو دور کیا، اللہ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے آگ سے آزاد کر دے۔"

یعنی جہنم سے چھٹکارے کا باعث اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کرنا ہے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ ایک دوسرے کی عزت کا خیال کیا جائے تاکہ دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہو جائے۔



[1] صحيح الجامع الصغير، رقم : ٦٢٤٠.

باب نمبر:9

# امانت و دیانت داری

اچھی اور مہذب قوموں کے اچھے اوصاف میں سے ایک وصف امانت و دیانت داری کا بھی ہے۔ یہ خوبی کسی بھی قوم کے اچھے ہونے کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر خوب زور دیا ہے کہ وہ امانت و دیانت داری کو ہمیشہ اپنا شعار بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾﴾ (الانفال : ٢٧)

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو، اور نہ ہی جانتے بوجھتے ہوئے اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾﴾ (النساء: ٥٨)

بلاشبہ اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان تک پہنچا دو۔ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو۔ یقیناً وہ چیز بہتر ہے کہ جس کی تلقین اللہ تمھیں کر رہا ہے۔''

یہ دونوں آیات اسی بات کا پابند بنا رہی ہیں کہ امانتوں کو امانت والوں کے سپرد کر دیا جائے، اور ان میں قطعاً خیانت نہ کی جائے۔ اس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرامین

میں اس انداز سے بیان فرمایا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ.)) [1]

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تمہارے پاس امانت رکھی ہے اس کی امانت ادا کرو، اور جس نے تم سے خیانت کی ہے اس سے خیانت نہ کرو۔"

((عن انس بن مالك، قال: خطبنا رسول الله ﷺ فقال فی الخطبة: لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ.)) [2]

"سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب کیا تو خطبہ میں فرمایا: اس میں ایمان نہیں جس میں امانت نہیں، اور اس کا دین نہیں جس میں عہد کی پابندی نہیں۔"

غور فرمائیں کہ جو شخص امانتوں کی ادائیگی نہیں کرتا اس کو یہ وعید سنائی گئی ہے کہ اس کا ایمان ہی نہیں ہے۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے امانت کی ادائیگی کی اہمیت کا۔ اور جو لوگ اس اہمیت کا پاس کریں ان کے لیے جنت ہے۔ چنانچہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِضْمَنُوْا لِیَ سِتًّا مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ: اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ، وَاَوْفُوا اِذَا وَعَدْتُّمْ، وَاَدُّوا الْاَمَانَةَ اِذَا ائْتُمِنْتُمْ، وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ، وَغَضُّوا اَبْصَارَكُمْ، وَكُفُّوَا اَیْدِیَكُمْ.)) [3]

"تم اپنے بارے میں چھ چیزوں کی ضمانت دے دو، میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، رقم: ٣٥٣٥، البانی رحمہ اللہ نے اسے "حسن صحیح" کہا ہے۔
[2] صحیح ابن حیان، کتاب الایمان، رقم: ١٩٤، ابن حبان نے اس کو "صحیح" کہا ہے۔
[3] مسند احمد: ٣٢٣/٥۔ مستدرك حاكم: ٣٥٨/٤۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ١٤٧٠.

جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (۱)...... جب بات کرو تو سچی کرو۔ (۲)...... وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔ (۳)......تمہارے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس کا پاس کرو۔ (۴)......اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ (۵)......نگاہیں نیچی رکھو۔ (۶)......اور اپنے ہاتھوں کو روک لو (یعنی لوگوں کو ایذا نہ پہنچاؤ)۔''

لیکن جو اس امانت کو اہمیت نہ دیں ان کے لیے انتہائی وعیدیں ہیں، بلکہ ایسے لوگوں کو جہنمی قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

((عن خولة الانصارية رضی اللہ عنہا قالت: سمعت النبی ﷺ يقول: اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِی مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .)) [1]

سیدہ خولہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، بلاشبہ کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہیں، پس ایسے لوگوں کے لیے قیامت کے دن جہنم کی آگ ہے۔''

غور فرمائیں کہ جو فی سبیل اللہ کے مال میں خیانت کریں تو ان کا انجام جہنم ہے۔ آج لوگ وقف کے مال کو اپنے باپ دادا کی جاگیر سمجھتے ہوئے اپنی کوٹھیاں اور محلات بنانے کے چکر میں ہیں، یہ دنیا کا مال ہے جو یہیں رہ جائے گا۔ لیکن اس کا انجام انتہائی بھیانک ہے۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث سے واضح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے بندے امانت داری میں انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہاں ایک واقعہ اصلاح کے لیے پیش خدمت ہے۔

''ان کا نام مبارک تھا، وہ ایک باغ میں عرصہ سے بطور پہرے دار کام کر رہے تھے، ایک دن اس باغ کا مالک اپنے چند مہمانوں کے ساتھ باغ میں آیا اور حکم دیا: مبارک! مہمان آئے ہیں کچھ میٹھے انار توڑ کر لاؤ، اور ان کو مہمانوں کی خدمت میں پیش کرو۔ وہ چند منٹوں میں انار توڑ کر لائے۔ مالک نے ایک انار

---

[1] صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، رقم: ۳۱۱۸.

توڑا اس کو چکھا تو سخت کھٹا تھا۔ دوسرے کو توڑا تو وہ بھی کھٹا تھا۔ مبارک کو آواز دی۔ ہم نے تمہیں میٹھے انار لانے کو کہا تھا، تم کھٹے انار لے آئے۔ وہ دوبارہ گئے اور انار لے آئے۔ مالک نے ان کو توڑا تو وہ بھی کھٹے نکلے۔ مالک سخت ناراض ہوا۔ تم اتنے سالوں سے اس باغ میں کام کر رہے ہو۔ تمہیں آج تک کھٹے اور میٹھے انار میں تمیز نہیں ہے۔

مبارک نے عرض کی: ''آقا! بلاشبہ میں کھٹے اور میٹھے اناروں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ میں نے آج تک اس باغ کا کوئی انار کھایا ہی نہیں ہے، تو پھر کھٹے اور میٹھے میں تمیز کیسی؟

مالک نے جب ان کا جواب سنا تو سناٹے میں آ گیا۔ کہنے لگا: ''مبارک! تم نے کیوں نہیں کھائے؟''۔ مبارک بولے: ''آپ نے باغ کی رکھوالی میرے سپرد کی تھی، اس کا پھل کھانے کی اجازت نہیں دی تھی''۔ باغ کے مالک نے جب ان کا جواب سنا تو نہایت متعجب ہوا۔ مبارک کے تقویٰ اور امانت داری پر مہمان بھی ششدر رہ گئے۔ باغ کے مالک کی بیٹی جوان تھی اور وہ اس کے لیے موزوں رشتے کا متلاشی تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں آیا کہ میری بیٹی کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا۔

اس نے مبارک سے کہا کہ اگر میں تمہیں اپنا داماد بنا لوں تو تمہارا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہود شادی کے لیے لڑکی کی مالداری، عیسائی خوبصورتی کو اور امت محمدیہ کے لوگ تقویٰ اور دینداری کو معیار ٹھہراتے ہیں۔

مالک نے ان کا جواب سنا تو مزید متاثر ہوا۔ گھر آ کر اپنی اہلیہ سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ بلاشبہ مجھے بھی اپنی بیٹی کے لیے مبارک سے بہتر کوئی رشتہ نظر نہیں آتا۔ یوں مبارک کی شادی اس باغ کے مالک کی بیٹی سے ہو گئی اور پھر اس مبارک جوڑے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی برکت سے نوازا۔ ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا

ہوا۔ اس کا نام انہوں نے عبداللہ رکھا جو بڑے مشہور محدث ہوئے اور جنہوں نے اپنے علم سے ایک جہان کو منور کیا۔ دنیا آج ان کو امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے۔'' (بحوالہ سنہری کرنیں۔ص:۱۹۸،۱۹۹)

اس واقعہ پر غور فرمائیں کہ کس قدر امانت داری کا مظاہرہ ہے۔ یقیناً یہ اللہ کے نیک بندوں کی صفات ہیں۔ جن کو اپنانا چاہیے اور کسی بھی طرح خیانت نہ کرنا چاہیے۔ نہ مال اور نہ ہی کلام میں۔ چنانچہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

((عن جابر بن عبداللہ ، عن النبی ﷺ قال: اِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ اَمَانَةٌ . )) ❶

''سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص تم سے کوئی بات کہے اور پھر وہ ادھر اُدھر دیکھے تو وہ بات تمہارے پاس امانت ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجلس بھی امانت ہے، ایک مجلس کی باتیں دوسروں کو نہیں پہنچانی چاہیں، کیونکہ یہ امانت کے منافی ہے۔ اور امانت کا نہ ہونا منافق کی علامت ہے۔ مسلمان کی قطعاً نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

((آيَةُ الْـمُـنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ . )) ❷

''کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے، جب امانت رکھوائی جائے خیانت کرے، اور وعدے کی خلاف ورزی کرے''۔

لہٰذا ضروری ہے خیانت سے اپنے آپ کو بچائیں، اور امانت داری کا مظاہرہ کریں۔



❶ سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ۱۹۵۹۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ۱۰۸۹.

❷ صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: ۶۰۹۵.

باب نمبر:10

# پردہ پوشی

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت کا محافظ ہوتا ہے۔اس لیے ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کرے اور کوئی ایسا کام نہ کرے کہ جس سے اس کی عزت پر حرف آتا ہو اور نہ کوئی ایسا کام کرے کہ جو اس کی عزت نفس مجروح کر سکتا ہو۔ وہ امور جو کسی بھی انسان کی عزت نفس کو مجروح کرنے کا باعث بنتے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ کسی بھی انسان کے عیبوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا ہے چونکہ یہ چیز ایک انسان کے لیے شرمندگی کا باعث ہے اس لیے شریعت اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی بلکہ ایک مسلمان پہ اس بات کو لازم کرتی ہے کہ وہ اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کرے۔

((عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ، رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . )) [1]

''سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کیا، اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس کے چہرے سے جہنم کی آگ دور کر دے گا۔''

اس حدیث سے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کرنے کی فضیلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس عمل کی وجہ سے اللہ جہنم سے نجات دے گا۔ اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔

''عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي

[1] سنن ترمذی، ابواب البر الصلۃ، رقم: ۱۹۳۱، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

الدُّنْیَا ، اِلَّا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ"))[1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ کسی بندے (کے گناہوں وعیبوں) کی دنیا میں ستر پوشی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''

عَنِ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَخْبَرَہُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہُ وَلَا یُسْلِمُہُ، وَمَنْ کَانَ فِی حَاجَۃِ أَخِیہِ، کَانَ اللّٰہُ فِی حَاجَتِہِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَۃً، فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ . ))[2]

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر زیادتی کرتا ہے، نہ اسے (بے یارومددگار چھوڑ کر دشمن کے) سپرد کرتا ہے۔ جو اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا ہے، جو کسی مسلمان سے کوئی پریشانی دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی بڑی پریشانی دور فرما دے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''

مذکورہ دونوں احادیث اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی۔ اللہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے بھائیوں کے عیبوں پر پردہ ڈالا کریں۔ جب تک کہ کوئی خاص مصلحت نہ ہو۔ اس وقت تک قطعاً کسی کے عیب کو ظاہر نہ کریں۔ کیونکہ یہ عمل اللہ کے بندوں کی صفات کے خلاف ہے۔ اللہ کے بندے پردہ پوشی کرنے والے ہوتے ہیں۔

''عمر فاروق رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہمراہ رات کے وقت معمول کے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، رقم : ۲۵۹۰.

[2] صحیح بخاری، کتاب المظالم، رقم: ۲۴۴۲.

مطابق گشت پر تھے۔ رات کے اندھیرے میں انھیں روشنی سی نظر آئی۔ انھوں نے روشنی کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ایک گھر نظر آیا۔ اندر سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ اچانک عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھر کے صحن میں داخل ہوئے۔ ایک عجیب منظر دیکھا، ایک بوڑھا شخص، اس کے ہاتھ میں جام، سامنے گانے والی عورت، آدھی رات کا وقت۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو للکارا:

((مَا رَأَيْتُ كَاللَّيْلَةِ مَنْظَرًا اَقْبَحَ مِنْ شَيْخٍ يَنْتَظِرُ اَجَلَهُ))

''میں نے آج رات اس بوڑھے شخص سے زیادہ قبیح اور شرمناک فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ وہ اپنے آخری وقت کے انتظار میں ہے مگر شراب و کباب میں مست گناہوں کا بوجھ اپنے سر لادے جا رہا ہے''

وہ بوڑھا شخص کہنے لگا: امیر المومنین! بلاشبہ میں جو کام کر رہا ہوں نہایت برا ہے۔ مگر ذرا غور کریں، جو کام آپ نے کیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بُرا ہے۔ آپ نے تجسس کیا ہے، حالانکہ اسلام نے تجسس سے منع کیا ہے، اور آپ میرے گھر میری اجازت کے بغیر داخل ہوئے ہیں، حالانکہ یہ منع ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔ پھر وہاں سے روتے ہوئے نکلے اور زبان پر یہ الفاظ تھے۔

((ثَكِلَتْ عُمَرَ اُمُّهُ اِنْ لَمْ يَغْفِرَ لَهُ رَبُّهُ، يَجِدُ هَذَا كَانَ يَسْتَخْفِي بِهِ مِنْ اَهْلِهِ فَيَقُوْلُ: الْآنَ رَآنِي عُمَرُ فَيَتَتَابَعُ بِهِ.))

''عمر کو اس کی ماں گم پائے، اگر اس کو اس کے رب نے بخش نہ دیا۔ یہ شخص اپنے گھر والوں سے چھپ کر یہ معصیت کر رہا تھا، اب وہ کہے گا: عمر نے تو مجھے دیکھ ہی لیا ہے، چنانچہ وہ بار بار اس معصیت کا ارتکاب کرے گا۔''

اس واقعہ سے پہلے یہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضری دیا کرتا تھا، اب اس نے خوف اور شرم کے باعث حاضری چھوڑ دی۔ کچھ عرصے بعد ایک دن عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہی بوڑھا شخص اپنے آپ کو چھپائے ہوئے مجلس میں داخل ہوا،

مجلس میں کافی لوگ بیٹھے تھے۔ یہ شخص مجلس کے آخر میں بیٹھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس بوڑھے کو میرے پاس بجھوا دو۔ وہ شخص پریشان ہوا کہ میں تو اسی بات سے گھبراتا تھا۔ بہر حال لوگوں نے کہا کہ جاؤ عمر رضی اللہ عنہ بلا رہے ہیں۔ وہ ڈرتا ڈرتا قریب آکر بیٹھ گیا۔ آپ نے اسے مزید اپنے قریب بلایا۔ وہ ذرا قریب ہوا تو فرمایا: اور قریب آجاؤ۔ اس طرح قریب کرتے کرتے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ پھر فرمایا: ذرا کان میرے قریب کرو۔ پھر اس کے کان میں فرمایا:

((اَمَا وَالَّذِیْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ رَسُوْلًا! مَا اَخْبَرْتُ اَحَدًا مِنَ النَّاسِ بِمَا رَاَیْتُ مِنْكَ ، وَلَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَاِنَّهُ كَانَ مَعِيَ . ))

''سنو! اس ذات کی قسم! جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے، میں نے جو اس روز دیکھا، کسی شخص کو نہیں بتایا حتیٰ کہ ابن مسعود کو بھی، حالانکہ وہ اس رات میرے ساتھ تھے۔''

اس شخص نے کہا: امیر المومنین! ذرا اپنا کان میرے قریب کریں۔ پھر اس نے کہا:

((وَلَا اَنَا وَالَّذِیْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ رَسُوْلًا ، مَا عُدْتُّ اِلَيْهِ حَتّٰى جَلَسْتُ مَجْلِسَ هٰذَا . ))

''اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے! اس دن سے آج کی مجلس میں حاضر ہونے تک میں نے بھی دوبارہ ایسا کام نہیں کیا۔''

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات سننے کے بعد اتنی خوشی ہوئی کہ آپ نے بلند آواز میں ''اللّٰہ اکبر'' کہا۔ لوگوں کو اس بات کا قطعاً علم نہیں تھا کہ انھوں نے ''اللّٰہ اکبر'' کس وجہ سے کہا ہے۔''[1]

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کس قدر اپنے بھائی کے عیب کی پردہ پوشی کی ہے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے بھائی کے عیبوں کی پردہ پوشی کریں (تاکہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے) کیونکہ اس میں کامیابی ہے۔

[1] حياة الصحابة: ٣/١٤٩ـ كنز العمال: ٢/١٤١.

باب نمبر:11

# چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام

کسی بھی معاشرے کی اچھی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ اس معاشرے میں بچوں سے پیار اور بڑوں کا احترام کیا جاتا ہو۔ جس معاشرہ میں بڑوں کا احترام نہ ہو۔ ایسے معاشرے بربادی کے دھانے پر پہنچ جایا کرتے ہیں کیونکہ بڑوں کے تجربات مفید ہوتے ہیں۔ اگر مفید کام کو چھوڑا جائے تو نقصان کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس نقصان سے بچانے کے لیے شریعت زبردست تاکید فرماتی ہے کہ بڑوں کا احترام کیا جائے۔

((عن عبداللہ ابن عمرو یرویہ ، قال ابن السرح: عن النبی ﷺ قال: مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیَعْرِفْ حَقَّ کَبِیْرِنَا فَلَیْسَ مِنَّا . ))[1]

''سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ، نبی ﷺ نے فرمایا: جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے، اور ہمارے بڑوں کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں۔''

((عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ : لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا . ))[2]

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور بڑوں کی عزت نہ کرے۔''

یہ دونوں حدیثیں اس بات کو لازم کرتی ہیں کہ بڑوں کا احترام کیا جائے بصورت دیگر ایسا شخص ہمارے مبارک طریقہ سے ہٹا ہوا ہوگا۔ جو کہ نقصان سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٩٤٣، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] سنن الترمذی، کتاب البر والصلة : رقم: ١٩١٩ ـ سلسلة الصحیحة، رقم: ٢١٩٦ .

مندرجہ ذیل حدیث میں اسی مفہوم کو واضح کرتی ہے کہ بڑوں کا احترام کیا جائے، اور ان کو مقدم رکھا جائے۔

((عَنْ نَافِعٍ ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَرَانِی فِی الْمَنَامِ اَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ ، فَجَذَبَنِی رَجُلَان ، اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ ، فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْاَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِیلَ لِی: كَبِّرْ ، فَدَفَعْتُهُ اِلَی الْاَكْبَرِ .))[1]

''نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں، پس میرے پاس دو آدمی آئے، ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا۔ میں نے مسواک چھوٹے کو دے دی تو مجھے کہا گیا، بڑے کو دیں، تو میں نے بڑے کو دے دی۔''

یعنی اللہ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ بڑے کا خیال کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اور حکم نہیں دے سکتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ یہی چاہتا ہے۔ کہ بڑوں کا احترام کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ بچوں سے بھی پیار کیا جائے۔ کیونکہ یہ اچھے لوگوں کی پہچان ہے۔



[1] صحیح مسلم، کتاب الزھد، رقم: ۷۵۰۸.

باب نمبر:12

# دعوت قبول کرنا

دعوت کو قبول کرنا چاہیے کیونکہ دعوت کو قبول کرنا پیار اور محبت کا باعث بھی ہے، اور ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق بھی۔

((عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ......وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ .)) [1]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ جب وہ تجھ کو دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کر۔''

لیکن یہ دعوت کا قبول کرنا مباح اور جائز کاموں میں ہوگا۔ ناجائز اللہ کے حرام کردہ کاموں کی دعوت قطعاً قبول نہ کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(المائدہ : ۲)

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کا ساتھ دیں، لیکن گناہ اور زیادتی کے کاموں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون مت کرو۔''

چونکہ دعوت کو قبول کرنا ایک طرح سے اپنے بھائی کے ساتھ تعاون اور اس کو عزت دینا ہے۔ یہ تعاون اور عزت صرف اور صرف جائز امور میں ہونی چاہیے۔ ناجائز امور میں قطعاً نہیں۔ یعنی ناجائز امور میں قطعاً دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب السلام، رقم: ۲۱۶۲.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝﴾ (ھود: ۱۱۳)

''تم ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ آگ کا عذاب لگے گا۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ تم مدد کیے جاؤ گے۔''

یعنی اگر ظالموں کی دعوت کو قبول کیا گیا تو ظلم کی وجہ سے ظالموں پر اللہ کا عذاب آ سکتا ہے۔ اس عذاب کی گرفت میں وہ لوگ بھی آ سکتے ہیں۔ کہ جو اس دعوت میں شریک ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسی دعوتوں میں قطعاً شرکت نہ کی جائے، جہاں اللہ اور رسول ﷺ کے فرامین کی مخالفت ہوتی ہو۔ جیسا کہ آج کے دور میں شادی ولیمہ کی دعوتوں میں مرد اور عورتوں کا اختلاط (میل جول) کھلے عام ہوتا ہے۔ ویڈیو بنانے کے لیے انتہائی فاحشانہ فیشن پر مبنی مختصر لباس پہنے جاتے ہیں۔ یہ اللہ اور رسول ﷺ کے فرامین کی صریح مخالفت ہے۔ لہٰذا ایسی دعوتوں سے پرہیز کرنا از حد ضروری ہے۔ اس طرح دعوت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دعوت میں پرہیز گار نیک اور صالح لوگوں کو دعوت دی جائے۔

((لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا ، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ .))[1]

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن کے سوا کسی اور کو ساتھی نہ بناؤ، اور متقی شخص کے علاوہ تمہارا کھانا کوئی اور نہ کھائے۔''

یعنی ترجیحی بنیادوں پر نیک اور صالح لوگوں کو کھانے کی دعوت پر بلایا جائے۔ تاکہ کھانا کھلانے والے کے لیے دعائیں کر سکیں، اور اس کے لیے رحمت و برکت کا باعث بنیں۔ اس طرح کھانے کی دعوت میں کوشش کرنی چاہیے کہ غریبوں کو بھی دعوت میں بلایا جائے۔

((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ ، يُدْعٰى لَهَا الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ .))[2]

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٨٣٢، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

[2] صحیح بخاری، کتاب النکاح، رقم: ٥١٧٧.

''آپ ﷺ نے فرمایا: بدترین کھانا وہ ولیمہ ہے جس میں دولت مند بلائے جائیں، اور فقراء کو نہ بلایا جائے۔''

یعنی جس کھانے کی دعوت میں امراء کو تو دعوت خوب دی گئی ہو لیکن غریب لوگوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو ایسی دعوت بدترین دعوت ہے۔ لہٰذا ایسے انداز سے بھی بچنا چاہیے۔ دعوت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دعوت زیادہ پُرتکلف نہ ہو کیونکہ ایسی دعوت میزبان پر مشکل کا باعث ہوتی ہے۔ اور کھانا ضائع ہونے کا ذریعہ اور سبب بھی بنتی ہے۔ نیز مہمانوں کو بھی اس قسم کا ذہن نہیں بنانا چاہیے کہ دعوت عمدہ قسم کی ہو۔ تو قبول کریں گے۔ ورنہ دعوت رد کر دیں گے جیسا کہ آج کل عموماً ہوتا ہے کہ غریب کی دعوت رد کر دی جاتی ہے، اور امراء کی دعوت پر انتہائی اہتمام کے ساتھ جایا جاتا ہے۔ بلکہ ان کی دعوتوں کا انتظار کیا جاتا ہے ۔ یہ روش خلافِ سنت ہے۔

((لَـوْ دُعِيْـتُ اِلٰی ذِرَاعٍ اَوْ كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ ، وَلَوْ اُهْدِیَ اِلَیَّ ذِرَاعُ اَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ .))[1]

''آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اگر بکری کے پائے کے لیے بھی دعوت دی جائے تو میں ضرور قبول کروں گا۔ اگر مجھے اس کے بازو کا تحفہ دیا جائے تو میں قبول کروں گا۔''

غور فرمائیں کہ معمولی چیز کی دعوت بھی آپ ﷺ قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے معمولی معمولی چیز پر مبنی دعوتیں قبول بھی کی ہیں۔

((عـن انس رضی اللہ عنہ قـال: اَنْـفَـجْـنَـا اَرْنَبًا وَنَحْنُ لِمَرِّ الظَّهْرَانِ...... فَـاَخَـذْتُـهَا فَـجِئْتُ بِهَا اِلٰی اَبِیْ طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا ، فَبَعَثَ بِوَرِكِهَا۔ اَوْ قَالَ: بِفَخِذِهَا۔ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَبِلَهَا .))[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الهبة وفضلها......، رقم: ٢٥٦٨.

[2] صحیح البخاری، کتاب الصید والذبائح، رقم: ٥٥٣٥.

''سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک خرگوش ذبح کیا، اور اس کی ران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔''

اس روایت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرگوش کی ایک ران کی دعوت بھی قبول فرما لی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت کے قبول کرنے میں تکلف کا مظاہرہ نہ کرتے تھے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ دعوت کے آداب کا خیال کریں۔ تکلّفات سے بچنے کی کوشش کریں۔



باب نمبر:13

# سلام کرنا اور اس کا طریقہ و آداب

سلام، اسلامی شعائر میں سے ایک ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''السلام علیکم'' کہنے والا مسلمان ہے۔ اس سے مسلمانوں والا سلوک کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُوا۟ وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ (النساء: ٩٤)

''اے ایمان والو جب تم زمین میں سفر کیا کرو، تو تم ایسے فرد کو جو تم کو سلام پیش کرے، یہ نہ کہا کرو کہ تو مومن نہیں ہے۔''

اس آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ سلام کرنا مومن و مسلمان ہونے کی دلیل ہے۔

''السلام علیکم'' کہنا انتہائی فضیلت والے اعمال میں سے ایک عمل ہے۔

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ ، فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ثُمَّ جَلَسَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَشْرٌ۔ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ، فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ ، فَقَالَ: عِشْرُونَ۔ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ ، فَقَالَ: ثَلَاثُونَ . ))[1]

''سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا: ''السلام علیکم'' آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب کیف السلام؟ رقم: ٥١٩٥، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

اور وہ بیٹھ گیا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: دس۔ پھر دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمته الله۔ آپ ﷺ نے جواب دیا اور وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیس۔ پھر ایک اور آیا تو اس نے کہا السلام علیکم ورحمته الله وبرکاته۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا اور وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیس۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا: "السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته ومغفرته" تو آپ نے فرمایا: چالیس، اور پھر فرمایا، اس طرح انسان ایک دوسرے پر فضیلت لے جاتے ہیں۔ [1]

غور فرمائیں کہ جس قدر بہتر انداز میں سلام کیا جائے گا اور اس سے بھی بہتر انداز سے اس کا جواب دیا جائے گا، اسی قدر ہی زیادہ سے زیادہ ثواب کا باعث ہوگا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ترغیب دی ہے کہ بہتر سے بہتر انداز میں سلام کا جواب دیا کرو۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝۸۶ ﴾ (النساء: ٨٦)

"اور جب تمہیں سلام کہا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو، یا انہی الفاظ کو لوٹا دو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔"

کیونکہ سلام کا بہتر جواب اجر وثواب، پیار ومحبت اور جنت میں لے جانے کا باعث ہے۔ چنانچہ:

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا ، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا ، اَوَلَا اَدُلُّكُمْ

[1] سنن ابوداؤد، کتاب الأدب، رقم: ٥١٩٦.

عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ؟ اَفْشُوْا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ . ))[1]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جنت میں داخل نہیں ہوسکو گے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ۔ اور تم ایمان نہیں لا سکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں کہ جب تم اس پر عمل کرو تو تمہارے درمیان محبت پیدا ہو؟ آپس میں سلام کو عام کرو۔''

اس حدیث کے معنی ومفہوم پر بار بار غور فرمائیں کہ سلام کرنے کے کتنے فوائد ہیں؟ اور فضیلت کیا ہے؟ سلام کرنے کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت ہوگی ۔ محبت ایمان کی دلیل ہے۔اور ایمان جنت میں لے کے جائے گا۔ اصل جنت میں لے جانے کی بنیادی وجہ سلام کثرت سے کرنا ہے۔ اس فضیلت میں بھی وہ شخص انتہائی آگے ہے کہ جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے نہ کہ دوسرے کا انتظار کرتا ہے کہ وہ سلام کرے پھر میں سلام کا جواب دوں گا۔ بلکہ فی الفور سلام کرتا ہے۔ ایسا شخص عظیم ہے۔

((عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰهِ تَعَالٰی مَنْ بَدَاهُمْ بِالسَّلَامِ . ))[2]

''سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر وہ شخص ہے جو سلام میں سبقت کرے۔''

((عَنْ اَبِیْ اَیُوْبَ اَنْصَارِیِ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ ، یَلْتَقِیَانِ ، فَیُعْرِضَ هٰذَا وَیُعْرِضَ هٰذَا ، وَخَیْرُهُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ . ))[3]

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انه لا یدخل الجنة الا المؤمنون وان محبة المؤمنین من الایمان، رقم: ٥٤.

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فضل من بدء السلام، رقم: ٥١٩٧، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[3] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فمن یهجر اخاه المسلم، رقم: ٤٩١١، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

''سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ میل جول چھوڑے رہے کہ جب دونوں کی ملاقات ہو تو یہ بھی منہ پھیر لے اور وہ بھی۔ اور ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو ''السلام علیکم'' کہنے میں ابتدا اور پہل کرے۔''

یعنی اگر دو بھائیوں میں ناراضگی بھی ہو تو ان دونوں میں بہتر وہ انسان ہے کہ جو پہلے سلام کرتا ہے۔ لہٰذا خوب کوشش ہونی چاہیے کہ سلام پہلے کریں، اور سلام کثرت سے کیا کریں۔

((عن عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہما: اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم: اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ؟ فَقَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ.)) [1]

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ اسلام کی کون سی بات زیادہ بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم دوسروں کو کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کہو، چاہے تم اسے پہنچانتے ہو یا نہیں پہچانتے ہو۔''

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ، فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْجِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِیَهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ اَیْضًا.)) [2]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کہے۔ پس اگر ان کے درمیان کوئی درخت، دیوار، یا پتھر حائل ہو جائے اور پھر دوبارہ ملے تو بھی سلام کہے۔''

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب اطعام الطعام من الاسلام، رقم: ١٢.

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرجل یفارق الرجل ثم یلقاه، أیسلم علیه؟ رقم: ٥٢٠٠۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح موقوف'' کہا ہے۔

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ سلام کثرت سے کرنا چاہیے۔ اگرچہ ملاقات کو بالکل معمولی سا ہی وقت گزرا ہو، جس سے بظاہر یہ نہ لگتا ہو کہ ہم الگ ہی نہیں ہوئے۔ لیکن پھر بھی سلام کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ایک پتھر کے اوپر سے گھوم کر، دیوار کے اوپر یا ایک درخت کی رکاوٹ کے بعد دوبارہ ملاقات ہوتی ہو۔ تب بھی سلام کریں۔ حالانکہ یہ ملاقات انتہائی معمولی وقفے کے بعد ہو رہی ہے جو کہ چند سیکنڈ کے بعد ہوئی ہے۔ لیکن یہاں بھی سلام کرنا انتہائی پسندیدہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ سلام ہر ایک کو کرنا چاہیے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ سلام صرف اس کو کریں ہم جس کو جانتے ہیں۔ اس کو سلام کر دیا اور جس کو نہیں جانتے اس کو سلام نہیں کرتے۔ اگرچہ اس کی شکل و شباہت سے ایک پکا اور سچا مسلمان ہونا جھلک رہا ہو۔ یہ طریقہ کار بالکل غلط ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے اور ہر ایک کو سلام کرنا چاہیے یہی اچھے مسلمان کی نشانی و دلیل ہے، اور یہ چیز سلام کرنے کے آداب میں بھی ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا انْتَهٰى اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ ، فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَقُوْمَ فَلْيُسَلِّمْ ، فَلَيْسَتِ الْاُوْلٰى بِاَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ . ))[1]

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو اس کو چاہیے کہ سلام کہے، اور جب وہاں سے اٹھنا چاہے تو بھی سلام کہے۔ پہلی دفعہ سلام کہنا دوسری دفعہ کے مقابلے میں کوئی زیادہ اہم نہیں ہے۔“

غور فرمائیں کہ مجلس میں آتے جاتے ہوئے سلام کرنا چاہیے۔ اس چیز کی طرف اشارہ

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی السلام اذا قام من المجلس رقم: ۵۲۰۸۔ سنن ترمذی، کتاب الاستئذان والادب، باب ما جاء فی التسلم عند القیام وعند القعود رقم: ۲۷۰۶. البانی رحمہ اللہ نے اسے ”حسن صحیح“ کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ملتا ہے۔

﴿وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِـَٔايَـٰتِنَا فَقُلْ سَلَـٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ (الانعام: ٥٤)

''کہ جب تیرے پاس مومن آئیں تو آپ ان کو سلام کریں یعنی جب بھی آپ کی مجلس میں آئیں یا جائیں تو سلام کریں۔''

جس سے سلام کرنے کی اہمیت واضح ہے۔

سلام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ چلنے والا بیٹھنے والے کو، تھوڑے افراد زیادہ افراد کو سلام کریں۔ اور چھوٹے بچوں کو سلام کرنا بھی پسندیدہ ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ انصار کے بچوں کو سلام بھی کرتے، اور پیار و محبت سے ان کے سروں پر ہاتھ بھی پھیرتے تھے۔

((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یُسَلِّمُ الصَّغِیْرُ عَلَی الْکَبِیْرِ وَالْمَارُّ عَلَی الْقَاعِدِ، وَالْقَلِیْلُ عَلَی الْکَثِیْرِ.)) [1]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوٹا بڑے کو، اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔''

((عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ: کَانَ یَزُوْرُ الْاَنْصَارَ، وَیُسَلِّمُ عَلٰی صِبْیَانِهِمْ، وَیَمْسَحُ رُؤُوْسَهُمْ.)) [2]

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ انصار کی ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے، اور ان کے بچوں کو سلام کیا کرتے تھے، اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب یسلم الصغیر علی الکبیر، رقم: ٦٢٣٤.

[2] صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، باب الرحمة، رقم: ٤٦٠، ابن حبان نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

اس طرح سلام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اگر راستے یا شاہراہ پر بیٹھے ہوں تو تب بھی سلام کا جواب ضرور دینا چاہیے۔

((عَنْ أَبِی سَعِیدٍ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِیَّاکُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ، قَالُوا: یَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا بُدَّ لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا نَتَحَدَّثُ فِیهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنْ أَبَیْتُمْ فَأَعْطُوا الطَّرِیقَ حَقَّهُ قَالُوا: وَمَا حَقُّ الطَّرِیقِ یَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ، وَکَفُّ الْأَذَی، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ.)) [1]

''سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: راستوں پر بیٹھنے سے احتراز کرو۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں تو اس سے چارہ نہیں ہے، ہم نے آپس میں بات چیت کرنی ہوتی ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اس سے انکار کرتے ہو تو پھر راستے کے حق کا خیال رکھو۔ انہوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! راستے کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نظریں نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم و ترغیب دلانا اور برائی سے روکنا۔''

اس کے ساتھ سلام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت سلام کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ فعل اللہ کی رحمت و برکت کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

﴿لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّ لَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ اَنْ تَاْکُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕکُمْ

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الجلوس فی الطرقات، رقم: ٤٨١٥، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ (النور: ٦١)

''اندھے پر، لنگڑے پر، بیمار پر اور خود تم پر مطلقاً کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے گھر سے کھا لو، یا اپنے باپوں کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چاچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا ان کے گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو۔ تم پر کوئی گناہ نہیں تم ساتھ کھانا کھاؤ یا علیحدہ علیحدہ۔ پس جب تم گھروں کو جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو۔ دعائے خیر اور بابرکت اور پاکیزہ ہے۔ یونہی اللہ کھول کھول کر اپنے احکام بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو۔''

سلام کرنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مصافحہ کیا جائے یعنی ہاتھ کے ساتھ ہاتھ ملایا جائے یہ عمل بھی اگرچہ معمولی سمجھا جاتا ہے لیکن اجر و ثواب کے اعتبار سے انتہائی بڑا ہی مبارک عمل ہے۔ جس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے لگایا جا سکتا ہے۔

((عن البراء قال: قال رسول الله ﷺ "مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ اَنْ يَفْتَرِقَا .")) [1]

''سیدنا البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو دو مسلمان باہم ملاقات کریں اور مصافحہ کریں تو قبل اس کے کہ وہ جدا ہوں ان کو بخش دیا

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی المصافحة، رقم: ٥٢١٢، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

جاتا ہے۔''

غور فرمائیں کہ مصافحہ کرنے کی وجہ سے دونوں کے گناہ ایک دوسرے کا ہاتھ چھوڑنے سے پہلے ہی معاف کردیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا سلام کرنے کے ساتھ ساتھ مصافحہ کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس سے سلام کرنے کے اجر وثواب میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔



باب نمبر:14

# وعدہ پورا کرنا

باضمیر اور اچھی قوموں کی علامت ہے کہ وہ قومیں ایفائے عہد کرتی ہیں۔ یعنی اپنے عہد و پیمان کو پورا کرتی ہیں ۔ دین اسلام میں اس کی طرف خوب توجہ دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۴﴾ (بنی اسرائیل : ۳۴)

''کہ تم اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ کیونکہ معاہدوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کی علامت بھی یہی ہیں کہ وہ اپنے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ﴾ (البقرہ : ۱۷۷)

''کہ اللہ کے بندے وہ ہیں جب کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ مومن اپنے معاہدے کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جو کہ انتہائی نصیحت آموز ہے۔

''اندلس کے دو حاکموں، حارس بن عباد اور عدی بن ابی ربیعہ میں لڑائی چھڑ گئی۔ حارس بن عباد کو عدی بن ابی ربیعہ کی تلاش تھی۔ ان دونوں کی آپس میں کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ حارس بن عباد، عدی سے اپنی پرانی دشمنی کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ حارس کے فوجیوں نے ایک آدمی کو گرفتار کر لیا۔ اسے حارس بن عباد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے قیدی سے پوچھا: مجھے بتاؤ عدی بن ابی ربیعہ کہاں

ہے (وہ اس کی شکل نہیں پہچانتا تھا)؟ قیدی کہنے لگا: اگر میں تمہیں عدی کے بارے میں بتا دوں تو کیا مجھے آزاد کر دو گے؟ حارس نے کہا: ہاں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں رہا کردوں گا۔ قیدی نے کہا: تو پھر سنو، میں ہی عدی بن ابی ربیعہ ہوں۔ حارس بن عباد نے اسے اپنے وعدے کی پاسداری کی خاطر رہا کر دیا۔‘‘

(سنہرے اوراق: ۲۴۴)

غور فرمائیں! مومن اپنے وعدے کو وفا کیا کرتا ہے۔ کہ اپنے بدترین دشمن کو بھی محض وعدہ کر لینے کی بناء پر معاف کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ جانتے ہیں کہ وعدہ خلافی مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔ بلکہ منافقین کی بری خصلتوں میں سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((آيَةُ الْـمُـنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا ٱئْتُمِنَ خَانَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ . )) [1]

’’کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرے گا جھوٹ بولے گا، اور جب امانت رکھوائی جائے خیانت کرے گا، اور وعدہ کرے گا تو وعدے کی خلاف ورزی کرے گا۔‘‘

تو معلوم ہوا کہ وعدہ کی خلاف ورزی منافقین کی بری خصلتوں میں سے ہے۔ مومن اس سے کلی طور پر اجتناب کرتے ہیں۔ کیونکہ وعدہ وفا نہ کرنے سے اجتناب کرنے میں ہی کامیابی ہے۔

((عـن عبادة بن الصامت: أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: "اِضْمَنُوْا لِي سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ أُصْدُقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ ، وَأَوْفُوْا إِذَا وَعَدْتُّمْ ، وَأَدُّوْا إِذَا اؤْتُمِنْتُمْ ، وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ ، وَغُضُّوْا أَبْصَارَكُمْ وَكُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ". )) [2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: ٦٠٩٥.

[2] مسند امام احمد: ٣٢٣/٥ـ الاحسان: ٢٤٥/١، رقم: ٢٧١ـ مستدرك حاكم: ٣٥٨/٤ـ٣٥٩ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ١٤٧٠.

''سیدنا عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مجھے اپنے نفسوں کی طرف سے چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۱......: جب بات کرو تو سچ بولو۔

۲......: جب وعدہ کرو تو پورا کرو۔

۳......: جب امانت دی جائے تو (خیانت نہ کرو) ادا کرو۔

۴......: اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔

۵......: اپنی نگاہیں جھکا کر رکھو۔

۶......: اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو (یعنی کسی کو اپنے ہاتھوں سے تکلیف نہ پہنچاؤ۔''

غور فرمائیں : ایفائے عہد جنت میں داخل کرنے والے امور میں سے ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایفائے عہد کیا جائے تا کہ دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل ہو، اور اچھے لوگوں میں ہمارا شمار ہو۔ کیونکہ ایفائے عہد اچھی قوموں کی علامات میں سے ایک عظیم علامت ہے۔



باب نمبر:15

# وقت کی پابندی

وقت کی پابندی اچھی اور منظّم قوموں کی پہچان ہے کہ وہ اپنا کام ہر ایک منظّم طریقہ کے مطابق کرتی ہیں۔ تنظیم کسی بھی قوم کے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وقت کی پابندی کو خاص اہمیت دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾﴾ (النساء: ۱۰۳)

''پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے رہو، اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو۔ یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے۔''

یعنی نماز کو وقت پر ادا کرنا ہے جس سے پابندی وقت کی اہمیت واضح ہے اس طرح دینی فرائض ایک خاص وقت پر فرض ہیں۔ مثلاً حج، نماز، روزہ وغیرہ، یہ تمام کی تمام عبادات ایک وقت میں فرض ہیں۔ جب وہ وقت نکل جائے تو یہ عبادات یا تو اپنی فرضیت ہی ختم کر لیتی ہیں یا پھر ان کے اجر و ثواب میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقت کی بہت زیادہ اہمیت ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے عبادات وقت مقررہ پر فرض کی ہیں۔ تاکہ لوگوں میں وقت کی پابندی کا احساس پیدا ہو۔ یہی وقت کی پابندی مندرجہ ذیل دونوں آیات سے بھی ثابت ہے۔ ارشاداتِ ربانی ہیں۔

﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ أَرِنِيْٓ أَنْظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿١٤٣﴾ (الاعراف:۱۴۳)

''اور جب موسیٰ وقت پر آئے تو ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے اپنا دیدار عطا کر کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں، ارشاد ہوا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے، پس اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی اس تجلی نے پرخچے اُڑا دیئے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو کہا بے شک آپ کی ذات منزہ ہے اور میں آپ سے توبہ کرتا ہوں، اور میں سب سے پہلے اس پر یقین کرتا ہوں۔''

﴿ وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿١٥٥﴾ ﴾

(الاعراف: ۱۵۵)

''اور موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر ۷۰ آدمی ہمارے وقت معین کے لیے منتخب کیے سو جب ان کو زلزلے نے آ پکڑا تو موسیٰ کہنے لگے اے میرے پروردگار! اگر تجھ کو یہ منظور ہوتا تو اس سے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا، کہیں تو ہم میں سے چند بیوقوفوں کی حرکت پر ہم سب کو نہ ہلاک کر دے۔ یہ واقعہ محض تیری طرف سے امتحان ہے، اور ایسے امتحان میں تو جسے چاہے گمراہی میں ڈال دے، اور جس کو چاہے ہدایت پر رکھے۔ اور تو ہی ہمارا خبر گیراں ہے۔ پس ہم پر مغفرت اور رحمت فرما۔ بیشک تو سب معافی دینے والوں سے اچھا (معافی دینے والا) ہے۔''

غور فرمائیں کہ دونوں آیات میں ملاقات کے لیے وقت مقررہ کو بیان کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کے نزدیک پابندی وقت کی بہت اہمیت ہے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ ہر کام وقت پر کیا کریں تاکہ قیمتی وقت کو بچایا جا سکے۔ وقت کی قدر کرنے والی قومیں ہی کامیاب و کامران ہوا کرتی ہیں ؏

گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا



باب نمبر:16

# نرم مزاجی

کسی بھی انسان کی اچھی اور بہت ہی عالی شان صفات میں سے نرم مزاجی بھی ہے۔ یہ ایسی عظیم صفت ہے کہ جس کی بدولت انسان دنیا اور آخرت کی بلندیوں کو پالیتا ہے۔ چونکہ شریعت اسلامیہ کا مقصد بھی انسان کی دنیا اور آخرت کی فلاح و کامیابی ہے۔ اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے نرم مزاجی کی انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ:

﴿وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝۲۸﴾ (بنی اسرائیل : ۲۸)

"اگر تو اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تو امید رکھتا ہے اس سے منہ پھیر، پس تو ان سے تو نرمی کی بات کہہ دیا کر۔"

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۴۳ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝۴۴﴾ (طه : ۴۳،۴۴)

"تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، بیشک وہ سرکش ہوگیا ہے۔ تم اس کو نرم بات کہو شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔"

﴿وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۱۵﴾

(الشعراء : ۲۱۵)

"اور اس کے لیے اپنے بازو جھکاؤ، جس نے تمھاری پیروی کی، مومنین میں سے۔"

ان تینوں آیات کے مفہوم پر غور فرمائیں، ان آیات میں نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ سامنے والا آپ کی نرمی کی وجہ سے آپ کی بات کو

تسلیم کرلے۔ اس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان میں یوں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ:

((عَنْ اَبِی مُوْسٰی قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا بَعَثَ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِہٖ فِی بَعْضِ اَمْرِہٖ قَالَ: بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا، وَیَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا.)) [1]

''سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو جب اپنے کسی کام کے لیے بھیجا کرتے تھے تو انہیں فرماتے: خوشخبری دینے والے بننا، نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا، تنگی اور مشقت میں نہ ڈالنا۔''

یعنی آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نرم مزاجی میں انتہائی خیر ہے۔ اور اس کے بہت سے فوائد ہیں۔ چنانچہ:

((عَنْ عَائِشَۃَ، اَنَّھَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ بِاَھْلِ بَیْتٍ خَیْرًا اَدْخَلَ عَلَیْھِمُ الرِّفْقَ.)) [2]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی خاندان کے لیے بھلائی چاہتا ہے تو ان میں نرمی ڈال دیتا ہے۔''

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ، وَیُعْطِی عَلَیْہِ مَالَا یُعْطِیْ عَلَی الْعُنْفِ.)) [3]

''سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ (عزوجل) رفق ونرمی سے موصوف ہے، اسے نرمی اور نرم خوئی پسند ہے۔ وہ اس پر وہ کچھ عنایت فرماتا ہے جو ترشی اور کرختگی پر نہیں دیتا۔''

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، رقم: ۱۷۳۲.

[2] مسند احمد، ۱۷۱/۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اسے بزار نے روایت کیا ہے، اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ مجمع الزوائد: ۱۹/۸.

[3] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرفق، رقم: ۴۸۰۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ نرمی سے جو اللہ کا فضل و احسان حاصل ہوتا ہے وہ سختی کی بنیاد پر قطعاً نہیں ہوتا۔ وہ گھر مبارک ہیں، جن میں نرمی ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے رحمتیں نازل ہوتی ہے۔ نرمی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جان کا دشمن بھی دوست بن جایا کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝۳۴﴾ (حم السجدة: ٣٤)

"نیکی اور برائی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو تو وہ شخص جو آپ کا دشمن تھا ایسا ہو جائے گا جیسے جگری دوست۔"

یہ دلی دوست محض نرمی کی وجہ سے بنا ہے۔ اس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے ایک اور مقام پر اس انداز سے بیان فرمایا ہے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: خَدَمْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَشْرَ سِنِينَ بِالْمَدِينَةِ وَأَنَا غُلَامٌ لَيْسَ كُلُّ أَمْرِي كَمَا يَشْتَهِي صَاحِبِي أَنْ أَكُونَ عَلَيْهِ، مَا قَالَ لِي: فِيهَا أُفٍّ قَطُّ؟ وَمَا قَالَ لِي: لِمَ فَعَلْتَ هَذَا؟ أَوْ أَلَّا فَعَلْتَ هَذَا.)) [1]

"سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی مدینہ منورہ میں دس سال تک خدمت کی، جبکہ میں ایک نوخیز لڑکا تھا۔ میرے سب کام اس معیار کے نہیں ہوتے تھے جیسے میرے حبیب ﷺ کی خواہش ہوتی تھی۔ (اس کے باوجود) آپ ﷺ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا، اور نہ یوں کہا: تو نے یہ کیوں کیا؟ اور اس طرح کیوں نہیں کیا؟"

آپ ﷺ کی نرمی کا نتیجہ ہے کہ لوگ آپ ﷺ کے گرویدہ ہیں۔ اگر آپ ﷺ

[1] سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الحلم واخلاق النبی ﷺ، رقم: ٤٧٧٤، البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

سخت مزاج ہوتے تو لوگ بھاگ جاتے، کوئی قریب بھی نہ آتا۔ یہ سب نرمی کی برکات ہیں کہ لوگ آپ ﷺ کا ساتھ دینے اور جانیں تک نچھاور کرنے کے لیے تیار ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾﴿١٥٩﴾

(آل عمران: ١٥٩)

"آپ محض اللہ کی رحمت سے اُن لوگوں کے لیے نرم ہوئے ہیں، اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس چھٹ جاتے، پس آپ انہیں معاف کر دیجئے، اور ان کے لیے مغفرت طلب کیجئے، اور معاملات میں ان سے مشورہ لیجئے، پس جب آپ پختہ ارادہ کر لیجئے تو اللہ پر بھروسہ کیجئے، اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

ڈاکٹر لقمان سلفی لکھتے ہیں:

"اللہ نے فرمایا کہ اگر آپ بدخلق، سخت زبان، سخت دل ہوتے، اور اپنے صحابہ کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے تو ایک ایک کر کے سب آپ سے الگ ہو جاتے اور دعوت کا کام رُک جاتا، لیکن اللہ نے آپ کو نرم خو، نرم زبان، خوش مزاج، اور رحم دل بنایا ہے، امام بخاری اور دوسرے محدثین نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تورات میں وہی صفات بیان ہوئی ہیں جو قرآن میں موجود ہیں، کہ آپ سخت زبان، سخت دل اور بازاروں میں شور مچانے والے نہ ہوں گے، اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیں گے، بلکہ عفو و درگزر سے کام لیں گے۔" (تیسیر الرحمن: ١/٢١٨)

معلوم ہوا کہ نرمی میں خیر ہی خیر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نرمی کو ہی پسند فرماتا ہے۔

چنانچہ:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكُمْ ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ: وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ ، قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "مَهْلًا يَا عَائِشَةُ ، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ (وفي رواية) أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ؟ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِيْ فِيهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ . ))[1]

''ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا السام علیکم (تم کو موت آئے) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سمجھ گئی کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا ''تمہیں موت آئے، تم پر اللہ کی لعنت اور غضب ہو''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رہنے دو۔ اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی پسند کرتا ہے، تم بھی نرمی کو اپنے اوپر لازم کرلو، سختی اور تند کلامی سے پرہیز کرو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے نہیں سنا کہ میں نے وعلیکم کہہ کر اسی چیز کو لوٹا دیا تھا۔ میری بددعا ان کے حق میں قبول ہوگی۔ ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہیں ہوگی۔''

مذکورہ بالا حدیث پاک احادیث سے معلوم ہوا کہ نرمی اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسند ہے، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نرمی انسان کو مزین وخوبصورت بنا دیتی ہے۔ چنانچہ:

((عَنْ عَائِشَةَ ، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ الرِّفْقَ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب، باب الرفق فی الامر کله، رقم: ٦٠٢٤، وباب لم یکن النبی ﷺ فاحشا، رقم: ٦٠٣٠.

لَا یَکُوْنُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَهُ ، وَلَا یُنْزَعُ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَهُ . )) [1]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس چیز میں بھی نرمی ہوتی ہے وہ اسے مزین اور خوبصورت بنا دیتی ہے، اور جس سے یہ نکال لی جاتی ہے، اسے عیب دار کر دیتی ہے۔''

سختی بربادی کا باعث ہے۔ جبکہ نرمی انسان کو اچھا مبارک اور جنتی بنا دیتی ہے۔

((عن عبد الله بن مسعود، قال: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَنْ یَحْرُمُ عَلَی النَّارِ ، اَوْبِمَنْ تَحْرُمُ عَلَیْهِ النَّارُ عَلٰی کُلِّ قَرِیْبٍ هَیِّنٍ سَهْلٍ . )) [2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کی خبر نہ دوں جو جہنم کی آگ پر یا جہنم کی آگ ان پر حرام ہے؟ یہ ہر اس شخص پر حرام ہے جو لوگوں کے قریب رہنے والا، نرمی کرنے والا اور آسانی کرنے والا ہے۔''

غور فرمائیں کہ جہنم اس پر حرام ہے۔ یعنی وہ شخص کبھی بھی جہنم میں نہیں جائے گا کہ جو نرمی کرنے والا ہے، لیکن اس کے برعکس وہ لوگ جو سختی کرنے والے ہیں ۔ یہ ایسے بدبخت لوگ ہیں کہ ان کو بھلائی اور خیر سے دور کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((عن تميم بن سلمة ، عن عبدالرحمن بن هلال ، عن جرير قال: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ یُحْرَمِ الرِّفْقَ یُحْرِمُ الْخَیْرَ کُلَّهُ . )) [3]

''سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نرم خوئی سے محروم ہوا وہ سب بھلائیوں سے محروم ہوا۔''

---

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، رقم: ٢٥٩٤.

[2] سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة، رقم: ٢٤٨٨ ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ٩٣٥.

[3] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٨٠٩، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

غور فرمائیں کہ ہر قسم کی بھلائی سے دور کر دیا گیا ہے، چاہے دنیا کی بھلائی ہو یا آخرت کی۔ یہ نحوست محض تند خوئی، سخت مزاجی سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سخت مزاج لوگوں کے لیے بددعا بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ:

((حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا مرفوعا: اَللّٰھُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِی شَیْئًا فَشَقَّ عَلَیْھِمْ فَاشْقُقْ عَلَیْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِی شَیْئًا فَرَفَقَ بِھِمْ فَارْفُقْ بِهِ.)) [1]

''عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے، پھر وہ ان کو مشقت میں ڈالے، تو تو بھی اس پر مشقت ڈال۔ اور جو میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے پھر وہ ان کے ساتھ نرمی کرے تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما۔''

غور فرمائیں! آپ ﷺ سختی کرنے والوں کے لیے بددعا کر رہے ہیں۔ جبکہ نرمی کرنے والوں کے لیے دعائیں کر رہے ہیں۔ جس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ نرمی میں بہتری ہے۔ اور سختی میں نقصان کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے آپ کو سخت روی سے بچایا جائے، اور اپنے اندر نرمی کو پیدا کیا جائے تا کہ دنیا اور آخرت کی بھلائیاں نصیب ہوں۔



[1] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، رقم: ۱۸۲۸.

باب نمبر:17

# زبان کی حفاظت کیجئے

اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں سے ایک نعمت زبان بھی ہے۔ یہ ایک ایسی عظیم نعمت ہے کہ جس پر دنیا اور آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے۔ چنانچہ

((عن عقبة بن عامر قال: قلت : يا رسول الله! ماالنجاة؟ قال: اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ ، وَلِيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلَى خَطِيْئَتِكَ . ))[1]

''سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: نجات کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''اپنی زبان پر کنٹرول رکھیں، اپنے گھر میں رہو، اور اپنے گناہوں پر رؤو۔''

غور فرمائیں کہ نجات کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زبان کو کنٹرول میں رکھو۔ یعنی زبان کو روک کے رکھنا کامیابی ہے۔ جو دنیا کی بھی ہوسکتی ہے اور آخرت کی بھی۔ اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دو چیزوں کی حفاظت کا وعدہ مجھ سے کرے میں اس سے جنت کا وعدہ کرتا ہوں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

((مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَابَيْنَ لِحيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ . ))[2]

''جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے دے۔ میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الزهد، رقم: ٢٤٠٦ ۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ٨٨٨.

[2] صحیح البخاری، کتاب الرقاق، رقم : ٦٤٧٤.

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں بھی زبان کی حفاظت پر زور دیا۔ چنانچہ:

((عن البراء بن عازب، اَنَّ رَجُلًا قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِی عَمَلًا یُدْخِلُنِی الْجَنَّةَ (فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ وَفِیْهِ) قَالَ: فَاَطْعِمِ الْجَائِعَ، وَاسْقِ الظَّمْآنَ، وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ، وَانْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ، فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِكَ، فَکُفَّ لِسَانَكَ اِلَّا مِنَ الْخَیْرِ.)) [1]

"سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما ایک طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، بھلائی کے لیے کہو اور برائی سے روکو، اور یہ سب نہ کر سکو تو اپنی زبان کو بھلی بات کے علاوہ روکو۔ یعنی اچھی و نیکی کی بات کے علاوہ مت بولنا کہ جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔"

اس لیے کہ بسا اوقات انسان ایک کلمہ زبان سے نکالتا ہے، وہی کلمہ جہنم میں لے جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں موجود ہے کہ "ایک شخص ایسی بات کہہ دیتا ہے کہ جو اللہ کی ناراضگی کا باعث بن گئی۔ اس ایک لفظ کی وجہ سے جہنم کی انتہائی گہرائی میں گرا دیا جاتا ہے جو مشرق و مغرب کی دوری سے بھی زیادہ دور ہوتی ہے۔" [2]

اس وجہ سے زبان کو ہمیشہ کنٹرول میں رکھیں۔ یہ بہت ہی زیادہ تباہ و برباد کرنے والی ہے۔ چنانچہ:

((......فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ قَالَ: "کُفَّ عَلَیْكَ هٰذَا" فَقُلْتُ: یَا نَبِیَّ اللّٰهِ!

---

[1] مسند احمد: ٤/٢٩٩، رقم: ١٨٦٤٧۔ صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، رقم: ٣٧٥، ابن حبان نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، رقم: ٦٤٧٧۔ صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقاق، رقم: ٢٩٨٨.

وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ؟ فَقَالَ: "ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ، وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ .)) [1]

"رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا اس کو قابو میں رکھ۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کیا ہم زبان کے ذریعے جو گفتگو کرتے ہیں اس پر بھی ہماری گرفت ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے معاذ! تجھے تیری ماں گم پائے۔ قیامت کے دن جن خطاؤں کی بنا انسان کو پکڑا جائے گا، ان میں سے اکثر خطائیں ایسی ہوں گی جو اس کی زبان سے سرزد ہوئی ہوں گی۔"

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُد هُوَ ابْنُ عَمْرٍو۔ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبْغِضُ الْبَلِيغَ مِنَ الرِّجَالِ: الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ تَخَلَّلَ الْبَاقِرَةِ بِلِسَانِهَا .)) [2]

"عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحقیق اللہ عزوجل ایسے آدمی سے غصے ہوتا ہے جو (ناحق) زبان آور ہو (بہت باتیں بنائے) اپنی زبان کو ایسے چلائے جیسے گائے چلاتی ہے (اور لپیٹ لپیٹ کر گھاس کھاتی ہے)۔"

ان احادیث پر غور فرمائیں! کہ اکثر خطائیں زبان سے سرزد ہوتی ہیں اور جہنم میں لے جانے کا سب سے بڑا سبب بھی زبان ہے۔ کیونکہ زبان سے الفاظ کو نکالتے وقت احساس نہیں ہوتا لیکن جب الفاظ نکل جاتے ہیں بعد میں ان کی تلخی کا اندازہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے کہا

---

[1] سنن ترمذی، ابواب الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة، رقم: ٢٦١٦، البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

[2] سنن ابوداؤد، کتاب الأدب، رقم: ٥٠٠٥۔ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی الفصاحة والبیان، رقم: ٢٨٥٣، البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

جاتا ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔ اسی چیز کا شریعت ہمیں پابند بناتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ .)) [1]

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

غور فرمائیں! کہ حقیقی مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہیں۔ نہ زبان سے تکلیف دے اور نہ ہی ہاتھ سے۔ ایسا اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب ایک انسان سوچ و بچار کے بعد بولے گا۔ غور وفکر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾﴾ (ق: ۱۸)

''انسان منہ سے کوئی بات بھی نہیں نکال پاتا مگر اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔''

﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴿١١﴾﴾ (الانفطار: ۱۰، ۱۱)

''یقیناً تم پر نگہبان عزت والے، لکھنے والے مقرر ہیں۔''

ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں ان تمام چیزوں کو نوٹ کیا جارہا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جو کچھ بولو غور وفکر کے بعد بولو کیونکہ جو بولو گے اس کا حساب بھی دینا پڑے گا۔ اس وجہ سے مومن ہمیشہ سوچ سمجھ کر بولتا ہے اور اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھتا ہے۔ جبکہ کافر ومنافق زبان کو بے مہارا چھوڑ دیتے ہیں۔ نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، رقم: ۱۰.

كَذَبَ ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ . ))[1]

"منافق کی چار نشانیاں ہیں۔ جس میں وہ چاروں ہوں گی وہ خالص منافق ہے، اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔

۱......: بات کہے تو جھوٹ بولے۔

۲......: وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

۳......: امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

۴......: جب جھگڑے تو بدزبانی کرے۔"

یعنی منافق گندی زبان استعمال کرتا ہے۔ گندی زبان کا استعمال منافق کی نشانی تو ہو سکتی ہے مومن کو زیب نہیں دیتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ زبان کی حفاظت کی جائے اس میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ سچ کہا کسی شاعر نے کہ:

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں سے

بس کامیابی کا راز یہی ہے کہ زبان کی حفاظت کی جائے۔



[1] صحيح بخاری، كتاب الايمان، رقم: ٣٤.

باب نمبر:18

# سچ بولنا

اخلاق حسنہ میں سے سچ بولنا ہے۔ سچ بولنے کا مطلب ہے، واقعہ کے مطابق گفتگو کرنا۔ سچ بولنا اللہ تعالیٰ کی عظیم صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ۝۸۷﴾ (النساء: ۸۷)

''اللہ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے؟''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ۝۱۲۲﴾ (النساء: ۱۲۲)

''اللہ سے بڑھ کر سچا کلام کس کا ہوسکتی ہے؟''

یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر سچ بولنے والا ہے۔ سچ بولنے کی تاکید فرماتا ہے۔ سچوں کی تعریف کرتا ہے، اور سچ بولنے والوں کا ساتھ دینے کا حکم ارشاد فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۱۱۹﴾

(التوبہ: ۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور سچوں کا ساتھ دو۔''

اس لیے سچائی ہی مفید ہے، اور یہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۱۱۹﴾ (المائدہ: ۱۱۹)

''اس دن کو یاد کرو کہ جس دن سچ بولنے والوں کا سچ ان کو فائدہ دے گا۔ان کے لیے جنتیں ہیں، جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''

یہ جو کامیابی سچ بولنے سے حاصل ہو رہی ہے۔اس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرامین میں اس انداز سے بیان فرمایا ہے۔''

((عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ ، وَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ إِلَى الْجَنَّةِ . )) [1]

''تم سچ ہی بولا کرو، کیوں کہ سچ بولنا نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے، اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔''

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِى إِلَى الْبِرِّ ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِى إِلَى الْجَنَّةِ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يَكُونَ صِدِّيقًا ، وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِى إِلَى الْفُجُورِ ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِى إِلَى النَّارِ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا . )) [2]

''سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یقیناً سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔آدمی سچ بولتا ہے، یہاں تک کہ اسے اللہ کے ہاں بہت سچا لکھ دیا جاتا ہے۔اور جھوٹ گناہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اسے بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''

ان دونوں احادیث مبارکہ پر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا سچ بولنے والوں کے لیے کامیابی

---

[1] صحيح بخاری، کتاب الادب، رقم: ٦٠٩٤ ـ صحيح مسلم، کتاب البر والصلة، رقم: ٢٦٠٧.

[2] صحيح بخاری، کتاب الادب، رقم: ٦٠٩٤.

ہے۔ کیونکہ سچ انسان کو نیکی کی راہ دکھاتا ہے، اور نیکی کو اپنانے والا انسان ہمیشہ کامیاب ہی ہوا کرتا ہے۔ چاہے بظاہر سچ بولنے کی وجہ سے دنیا میں مشکلات کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑ جائے۔ بالآخر کامیابی ضرور حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کو سچ بولنے کی پاداش میں اگرچہ 50 دن تک معاشرتی بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ جو کہ ایک مشکل تھی لیکن اس کے نتیجہ میں جو فائدہ حاصل ہوا، وہ ان مشکلات سے کہیں بڑھ کر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو معاف فرما دیا، اور اس کے ساتھ اپنی جنتوں کا وارث بنا دیا۔ یہ سب کچھ سچ بولنے کی وجہ سے تھا کہ سچ کا یہی نتیجہ ہے۔ جبکہ جھوٹ ایک بدترین بدنما داغ ہے جو کہ انسان کو انتہائی قبیح بنا دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی شخصیت انتہائی بے حیثیت اور غیر معتمد ہو جاتی ہے۔ اللہ کے نزدیک بھی ایسے شخص کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾﴾ (الزمر: ۳۲)

''اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے؟ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے، اور سچا دین جب اس کے پاس آئے تو اسے جھوٹا بتائے۔ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟''

یعنی جھوٹ بولنا منافقوں اور کافروں کا شیوہ ہے، نہ کہ مؤمن، مسلمانوں کا۔ اور کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جھوٹ سے اجتناب کیا جائے، اور سچ بولنے کی ہمیشہ کوشش کی جائے۔ کیونکہ سچ تقویٰ کی علامت ہے اور اسی میں کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾

(الزمر: ۳۳)

''کہ جو سچے دین کو لائے، اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پارسا ہیں۔''

غور فرمائیں کہ جو سچ کی تصدیق کرتا ہے یعنی سچ کا ساتھ دیتا ہے۔ یہی پرہیزگار شخص

ہے۔ اور جنت رب تعالیٰ نے پرہیز گاروں کے لیے ہی تیار کر رکھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس نقطہ کو اپنے اس فرمان میں ارشاد فرمایا ہے۔

((عَنْ أَبِی أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحًا، وَبِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ".)) [1]

"سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ضمانت دیتا ہوں جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے گا اسے جنت کے گرد ونواح میں گھر ملے گا، اور جو مذاق کرتے وقت بھی جھوٹ کو چھوڑ دے گا اسے جنت کے وسط میں گھر ملے گا، اور جو عمدہ اخلاق کا مالک ہوا سے جنت کے اعلیٰ مقام پر گھر ملے گا۔"

جھوٹ کو چھوڑنے کی وجہ سے جنت کے درمیان میں گھر ملے گا، اس بات کو ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ درمیان والی جگہ کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کا بہترین مقام جھوٹ کو چھوڑنے اور سچ بولنے والوں کے لیے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں نے ہمیشہ سچ بولا ہے، اور سچ بولنا ہی ان کی امتیازی صفت رہی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کہ مشرکین مکہ بھی اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ،

((مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا.)) [2]

"ہم نے تو آپ ﷺ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔"

یعنی آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے قرآن پاک فرماتا ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٨٠٠ ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ٢٧٣.

[2] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، رقم: ٤٧٧٠.

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝۴۱﴾

(مریم : ٤١)

''کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے۔ بلاشبہ وہ سچا نبی تھا۔''

اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝۵۴﴾ (مریم : ٥٤)

''آپ کتاب میں سے اسماعیل کا قصہ بیان کریں۔ بلاشبہ وہ سچا وعدہ کرنے والے رسول اور نبی تھے۔''

یعنی اللہ کے بندوں نے ہمیشہ سچ کو ہی اپنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾

(آل عمران : ١٧)

''(کہ اللہ کے بندے وہ ہیں) جو صبر کرنے والے ہیں، سچ بولنے والے ہیں۔ فرمانبرداری کرنے والے ہیں، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں، اور رات کے آخری حصے میں بخشش مانگنے والے ہیں۔''

غور فرمائیں اللہ کے بندوں کی اوصاف حمیدہ میں سے سچ بولنا ہی ہے کہ جس کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے بطور خاص مذکورہ آیت میں کیا ہے۔ لہٰذا کوشش کیجئے سچ کو اپنی صفت بنائیں جو کہ اللہ کے انعام یافتہ بندوں کی خوبی ہے۔ یہی کامیابی کا راز ہے۔



باب نمبر:19

# تحائف دینا

کسی بھی قوم کے اچھے اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تحفے تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں۔ اس فعل سے کسی بھی قوم میں آپس میں محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور جب محبت پیدا ہو جاتی ہے تو معاشرہ امن وسکون اور پیار ومحبت کا گہوارہ بن جاتا ہے، اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے اس کی خوب ترغیب دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾﴾ (النساء: ٨٦)

''اور جب تم کو کوئی تحفہ دیا جائے تو تم اس سے بہتر تحفہ دو، یا اسی جیسا واپس کر دو۔ اس لیے کہ تحفہ وتحائف کے تبادلے سے پیار اور محبت پیدا ہوتی ہے۔''

چنانچہ:

((عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ تَهَادُوْا تَحَابُّوا .))[1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: آپس میں ہدیہ لیا دیا کرو اس سے باہمی محبت پیدا ہوگی۔''

چونکہ تحفہ پیار اور محبت کو پیدا کرنے کا سبب ہے۔ اس وجہ سے اس کو قبول کرنا چاہیے، اور کبھی بھی تحفے کو رد نہیں کرنا چاہیے۔

((عن عبدالله قال: قال رسول الله ﷺ: اَجِيْبُوْا الدَّاعِیَ وَلَا تَرُدُّوْا الْهَدِيَّةَ، وَلَا تَضْرِبُوا الْمُسْلِمِيْنَ .))[2]

---

[1] ادب المفرد للبخاری، باب قبول الهدية، رقم: ٥٩٤۔ سنن الكبرىٰ بيهقی ١٦٩/٦.

[2] صحيح ابن حبان، كتاب الحظر و الاباحة، رقم: ٥٦٠٣، ابن حبان نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

"سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو، تحفہ مت لوٹاؤ اور مسلمانوں کو مت مارو۔"

غور فرمائیں کہ تحفہ واپس کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے نفرت پیدا ہوگی جو کہ انتہائی نقصان دہ ہے۔ اس نقصان سے بچانے کے لیے تحفہ کو واپس کرنے سے منع فرمایا۔ بلکہ ایسے ارشادات صادر فرمائے ہیں کہ جن سے واضح ہوتا ہے کہ تحفے تحائف ایک دوسرے کو دینے چاہئیں۔ اگر کسی میں تحفے تحائف دینے کی طاقت نہ ہو تو وہ تحفہ دینے والے کو کم از کم دعا ضرور دے۔

((عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول الله ﷺ: مَنْ اُعْطِیَ عَطَاءً فَوَجَدَ: فَلْیَجِزْ بِهِ ، فَاِنْ لَمْ یَجِدْ فَلْیُثْنِ بِهِ ، فَمَنْ اَثْنٰی بِهِ فَقَدْ شَكَرَهُ ، وَمَنْ كَتَمَهُ فَقَدْ كَفَرَهُ . ))[1]

"سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی چیز دی جائے اور وہ اس کا بدلہ دینے کی قدرت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ بدلہ دے، اگر بدلہ نہ دے سکے تو تعریف کرے۔ جس نے تعریف کی اس نے شکر ادا کیا، اور جس نے چھپایا اس نے ناشکری کی۔"

اس حدیث سے بھی تحفہ تحائف دینے کی اہمیت واضح ہو رہی ہے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ ایک دوسرے کے ساتھ تحفے و تحائف کا تبادلہ ہو۔ تاکہ پیار اور محبت معاشرے میں عام ہو اور نفرت و بغض کا خاتمہ ہو۔

## تحفہ اور ہدیہ دینے والے کے لیے دعا:

"بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِیْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ ."[2]



[1] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، رقم: ٤٨١٣۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے "حسن" کہا ہے۔

[2] سنن النسائی، کتاب الصدقات، رقم: ٤٦٨٣، البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

باب نمبر:20

# مشکوک باتوں سے پرہیز

معاشرے میں شر وفساد کا منبع مشکوک باتوں پر عمل پیرا ہونا اور مشکوک باتوں پر یقین کرنا ہے۔اس کی وجہ سے کسی بھی شخص کے لیے نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کر لیے جاتے ہیں کہ جنکا نتیجہ بالآخر لڑائی اور فساد کی شکل میں سامنے آتا ہے۔تو گویا لڑائی اور فساد کی جڑ مشکوک باتوں پر عمل کرنا ہے۔اس وجہ سے شریعت نے شکوک وشبہات والی باتوں سے روکا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ . )) [1]

''جو باتیں شک میں ڈالیں انھیں چھوڑ دو اور جو شک میں نہ ڈالیں انھیں اختیار کرو۔''

مذکورہ حدیث پر غور فرمائیں کہ شک والی باتوں کو ترک کر دو، کیونکہ اس سے گناہ کے ارتکاب کا اندیشہ موجود ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ جس میں معمولی سا بھی شک ہو اور دل مطمئن نہ ہو اس کو فی الفور چھوڑ دینا چاہیے۔کیونکہ یہ گناہ ہے۔مومن کا دل گناہ پہ بے چین ہو جایا کرتا ہے۔اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان مبارک سے ہوتی ہے:

((اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلْقِ ، وَالْاِثْمُ مَاحَاكَ فِيْ صَدْرِكَ . )) [2]

''نیکی حسن اخلاق کا نام ہے، اور گناہ وہ بات ہے جو تمھارے دل میں کھٹکے۔''

یعنی جس پر دل مطمئن نہیں وہ بھی گناہ ہے۔اس لیے کہ مومن کا دل نیکی پر مطمئن ہوتا

---

[1] سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، رقم: ۲۵۱۸۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، رقم: ۲۵۵۳.

ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد: ۲۸)

’’خبردار دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر کے ساتھ آتا ہے۔‘‘

یعنی نیکی پر دل مطمئن ہوتا ہے۔ جب دل مطمئن نہ ہو تو ایسی چیز کو چھوڑ دینا بہتر ہے۔ اس میں ہی خیر اور بھلائی ہے۔



باب نمبر:21

# صبر کرنا

کسی بھی کامیابی کے حصول کے لیے تکلیفیں اور مشکلات برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ جب تک کوئی انسان مشکلات سے کھیلنا نہ سیکھے، اور ان پر صبر کرنے کی قوت اپنے اندر پیدا نہ کرے، اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا۔ عرب لوگ کہتے ہیں ''جس نے صبر کیا وہ کامیاب ہوا۔'' دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے لازم ہے کہ صبر کا مظاہرہ کیا جائے اور صبر کے دامن کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے کامیابی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٤٦﴾﴾ (الانفال: ٤٦)

''اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر اور سہارا رکھو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾﴾ (البقرہ: ١٥٥ تا ١٥٧)

''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمھاری آزمائش ضرور کریں گے دشمن کے ڈر سے بھوک

پیاس سے مال و جان سے اور پھلوں کی کمی سے ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں انہیں جب کبھی کوئی وصیت آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے اور ان کے رب کی نوازش اور رحمتیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

یہ دونوں آیات واضح کر رہی ہیں کہ کامیابی صبر کرنے میں ہے۔اللہ تعالیٰ بندوں کو مصائب و آلام میں ڈال کر آزماتا ہے۔ جو لوگ صبر کا مظاہرہ کریں ان کے لیے کامیابی ہے۔ اور انہی لوگوں کو خوشخبریاں سنائی جا رہی ہیں۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾﴾ (الرعد: ۲۲تا۲٤)

''اور وہ لوگ جو صرف اپنے رب کی رضا کے لیے صبر کرتے ہیں، اور انہوں نے نماز قائم کی، اور جو اللہ نے ان کو دیا اس میں سے ظاہر اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں، اور یہ لوگ برائی کو نیکی کے ذریعے دور کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا گھر (جنت) ہے۔''

ہمیشہ رہنے کے باغات یہاں خود جائیں گے، اور ان کے باپ دادا، اور بیویوں، اور اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے، اور ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے اور کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو صبر کے بدلے کیا اچھا ہی بدلہ ملا ہے اس گھر کا۔

غور فرمائیں صبر کرنے والوں کے لیے آخرت کا بہترین گھر ہے۔یعنی جنت ہے۔اس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں واضح فرمایا ہے۔

((عن ابی هريرة: ان رسول الله ﷺ قال: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالىٰ: مَالِعَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ عِنْدِيْ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا، ثُمَّ احْتَسَبَهُ اِلَّا الْجَنَّةَ .)) [1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس مومن بندے کا جس کا میں کوئی عزیز دنیا سے اٹھالوں، اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کر لے، تو اس کا بدلہ میرے یہاں جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔''

یعنی صبر کرنے والوں کو جنت ہی ملے گی، اس کے سوا کوئی بدلہ نہیں ہے کہ جوان کو صبر کرنے کی وجہ سے دوں۔ یہی ان کے صبر کا پورا پورا بدلہ ہے۔

﴿ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩ ﴾ (الزمر: ١٠)

''میرا پیغام پہچا دو کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیے نیک بدلہ ہے۔ اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے۔ صبر کرنے والے ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔''

اس وجہ سے پوری پوری کوشش کرنی چاہیے کہ مصیبت کے وقت صبر کے دامن کو قطعاً ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے، کیونکہ صبر کرنے میں ہی فائدہ ہے۔ بے صبری سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا، فَقَالَ: ''يَا غُلَامُ! إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ، احْفَظْ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظْ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلْ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ. وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوْ اِجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ

[1] صحیح البخاری، کتاب الرقاق، رقم: ٦٤٢٤.

يَـنْـفَـعُـوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ ، وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ ، رُفِعَتْ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتْ الصُّحُفُ . ))[1]

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ ایک روز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے چند (مفید) باتیں بتاتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر (اس کے احکام کی پابندی کر) وہ تیری حفاظت کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر، تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کر۔ جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگ۔ یاد رکھ ساری دنیا جمع ہو کر بھی تجھے فائدہ پہنچانا چاہیے تو وہ تجھے کسی بات کا فائدہ اور نفع نہیں دے سکتی، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر رکھا ہے۔ اور اگر سارے لوگ مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ تجھے کسی بات کا فائدہ اور نفع نہیں دے سکتی، سوائے اس نقصان کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر رکھا ہو۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں، اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔''

ترمذی کے علاوہ دوسرے محدثین کی روایت میں یوں ہے ''تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر اسے اپنے سامنے پائے گا۔ تو خوش حالی میں اس کی طرف رجوع کر، وہ تنگ دستی کے وقت تیری مدد فرمائے گا۔ یاد رکھ! جو چیز تمھیں نہیں ملی وہ تمھیں مل ہی نہیں سکتی تھی اور جو کچھ تجھے مل گیا اس سے تو محروم نہیں رہ سکتا تھا۔ یاد رکھ! اللہ تعالیٰ کی مدد صبر سے وابستہ ہے۔ اور تکالیف ومصائب کے بعد کشادگی اور فراخی آتی ہے۔ اور تنگی کے بعد آسانی بھی ہوتی ہے۔''

---

[1] سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة والرقاق والورع، رقم: ۲۵۱۶۔ مسند احمد: ۱/۱۹۳۔ مسند ابویعلی، رقم: ۲۵۵۹۔ بیهقی شعب الایمان، رقم: ۱۹۵، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

غور فرمائیں کہ جو نفع ونقصان رب نے تمھارے لیے لکھا ہے وہ ضرور مل کر رہے گا، تو بے صبری سے کیا حاصل ہوگا؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ صبر کرنا چاہیے۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ جب کوئی چارہ نہیں ہے تو پھر صبر ہی کرنا چاہیے۔ اسی میں فائدہ ہے۔

((عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ، اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ.)) [1]

"سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، بیشک اس کے ہر معاملے میں اس کے لیے خیر ہے، اور یہ صرف مومن ہی کے لئے ہے۔ اگر اسے خوشی پہنچے تو وہ شکر ادا کرتا ہے جو اس کے لیے خیر (و برکت) ہے، اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے، جو اس کے لیے خیر ہے۔"

غور فرمائیں کہ مومن صبر کر کے رب سے اجر حاصل کرتا ہے، جو کہ جنت کی شکل میں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسی صبر کی بدولت اس کے گناہوں کو بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ اَذًى اِلَّا حَاتَّ اللّٰهُ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ وَرَقُ الشَّجَرِ.)) [2]

"جب کسی مسلمان کو کوئی اذیت (تکلیف) پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح گرا دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے گرتے ہیں۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبر کی وجہ سے تمام گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ جب گناہ ختم ہو

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزهد، رقم: ٢٩٩٩.

[2] صحیح بخاری، کتاب المرض، باب شده المرض، رقم: ٥٦٤٧.

جائیں تو رب فضل و احسان فرمایا کرتا ہے جس کا سبب صبر کرنا ہے۔ لہٰذا صبر کرنے میں ہی فائدہ ہے۔ صبر کرنے کی ہی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن یہ کام ذرا مشکل ہے۔ آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔ صبر کرنے کے لیے اپنے اندر ہمت و حوصلہ کو پیدا کرنا پڑے گا، وگرنہ پریشانی سے انسان مشتعل ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر کنٹرول کرنا بڑے ہی باہمت لوگوں کا کام ہے۔ عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (لقمان: ۱۷)

''اے میرے چھوٹے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا، اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا، اور جو مصیبت تم پر آجائے صبر کرنا۔ یقین مانو یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

یعنی یہ کام حوصلہ مند لوگوں کا ہے جن کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو جائے یہ بڑے عظیم لوگ ہیں۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمُوْمِنَ الَّذِیْ یُخَالِطُ النَّاسَ وَیَصْبِرُ عَلَی اَذَاهُمْ، اَعْظَمُ اَجْرًا مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا یُخَالِطُ النَّاسَ، وَلَا یَصْبِرُ عَلَی اَذَاهُمْ.)) [1]

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مومن لوگوں سے مل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے، اس کو زیادہ ثواب ہے اس مومن سے جو لوگوں سے نہیں ملتا، اور نہ ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے۔''

(یعنی ان سے ربط ضبط رکھتا ہے اور معاملات میں حصہ لیتا ہے) اور وہ لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرتا ہے، اس کا اجر اس مومن سے زیادہ ہوتا ہے جو نہ لوگوں سے ملتا جلتا ہے، نہ ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر اسے صبر کرنا پڑتا ہے۔

غور فرمائیں جو لوگوں کی تکلیفوں پر صبر کرے مشتعل ہو کر آپے سے باہر نہ ہو جائے یہ

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الفتن: رقم: ٤٠٣٢۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

انسان اجر وثواب کے اعتبار سے اس انسان سے بہت آگے ہے کہ جو لوگوں کی تکلیفوں سے دل برداشتہ ہو کر ان سے الگ ہو جائے۔ کیونکہ اس میں صبر نہیں ہے۔ جبکہ کامیابی صبر کرنے والوں کو ملا کرتی ہے۔ اور صبر کی توفیق ان کو ملا کرتی ہے کہ جو اپنے اندر صبر و ہمت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

((وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ .)) [1]

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ اسے بچا لیتا ہے۔ جو بے نیازی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے لوگوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور جو صبر کا دامن پکڑتا ہے اللہ اسے صبر کی توفیق دے دیتا ہے۔ اور کوئی شخص ایسا عطیہ نہیں دیا گیا جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر ہو۔''

غور فرمائیں کہ جس کو صبر کرنے کی توفیق مل گئی اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ صبر کرنے کی وجہ سے بہت سی برائیوں سے بچے گا صبر کی وجہ سے ہی مشکل سے مشکل ترین حالات میں حوصلہ نہیں ہارے گا۔ جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کی شکل میں سامنے آئے گا۔



---

[1] صحیح البخاری، کتاب الذکر، رقم : ١٤٦٩ ۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوة، رقم : ١٠٥٣.

باب نمبر:22

# اصلاح کرنا

کسی بھی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے اصلاح کا ہونا ضروری ہے۔ اصلاح کا مطلب ہے لوگوں کے درمیان ناراضگی کو ختم کرنا، اور ہر بُری عادت ، رسم و رواج کا خاتمہ کرنا۔ جس بھی معاشرے سے بُری عادات ختم ہو جائیں گی یقیناً ایسا معاشرہ کامیاب معاشرہ ہوگا، اور جس گھر، شہر اور ملک سے نفرت اور عداوت ختم ہو جائے گی، وہ گھر، شہر اور ملک کامیابی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے صلح کے حکم پر زور دیا ہے۔ ارشادات ربانی ہیں:

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٢٨﴾﴾

(النساء: ۱۲۸)

”اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی بد دماغی، اور بے پرواہی کا خوف ہو، تو آپس میں جو صلح کر لیں اس پر کوئی گناہ نہیں، صلح بہت بہتر چیز ہے، طمع ہر نفس میں شامل کر دی گئی ہے، اگر تم اچھا سلوک کرو، پرہیز گاری کرو، تو تم جو کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس کو پوری طرح جانتا ہے۔“

﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾﴾ (النساء: ۱۱٤)

”ان کے اکثر مصلحتی مشورے بے خیر ہیں، ہاں! بھلائی اس مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے، اور جو شخص محض اللہ کی رضا مندی کے ارادے سے یہ کام کرے، اسے ہم یقیناً بہت بڑا اجر و ثواب دیں گے۔“

ان دونوں آیات پر غور فرمائیں! تو یہ مفہوم واضح ہے کہ صلح میں خیر ہے، اور صلح کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے بندوں نے ہمیشہ ہی اصلاح کی طرف خوب توجہ دی ہے۔ یہ اصلاح اپنی بھی تھی اور دوسروں کی بھی۔ اللہ پاک کا ارشاد پاک ہے:

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ؀ ﴾ (ھود: ۸۸)

”اے میری قوم! دیکھو آ کر میں اپنے رب کیطرف سے ظاہر دلیل لیے ہوئے ہوں، اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہے، میرا یہ بالکل ارادہ نہیں کہ تمھارا خلاف کر کے بالکل خود اس کی طرف جھک جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں، میرا ارادہ تو صرف طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے، میرا اسی کی مدد پر بھروسہ ہے، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“

اس آیت میں اللہ کے پیغمبر شعیب علیہ السلام اپنی قوم پر واضح کر رہے ہیں، کہ میں جو تمھیں اخلاقی اور اعتقادی برائیوں سے روک رہا ہوں، میرا مقصد صرف اور صرف تمھاری اصلاح ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں کوئی تمھاری مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو بس اصلاح اور خیر خواہی کا ارادہ رکھتا ہوں، کیونکہ جو تم نے رسم و رواج اپنا رکھے ہیں وہ شرک اور کفر پر مبنی ہیں یہ تمھیں لے ڈوبیں گے۔ میں تو تمھیں اس بربادی سے بچانا چاہتا ہوں، اس لیے شرک

تباہی ہے، اس لیے اس سے منع کرتا ہوں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (البقرہ: ۲۲)

''جس نے تمھارے لیے زمین کا فرش، اور آسمان کی چھت بنائی، اور آسمان سے پانی اتارا کہ جس سے پھل پیدا کر کے تمھیں روزی دے۔ خبر دار! باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔''

یعنی ان نعمتوں کے باوجود بھی دوسروں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ حالانکہ تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ شرک سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے کیونکہ شرک اصلاح کے منافی ہے۔ اللہ کے بندے اصلاح کی طرف خوب توجہ دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنْ خُلُقِیْ .))[1]

''اے اللہ تعالیٰ! تو نے میری ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے، تو میرے باطنی کو بھی سنوار دے۔''

غور کریں کہ آپ ﷺ ظاہر اور باطن کی اصلاح کے لیے اللہ سے دعا کر رہے ہیں کیونکہ بغیر اصلاح کے کامیابی نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اصلاح کی طرف خوب توجہ دی جائے۔



[1] مسند احمد ٦/٦٨، رقم: ٢٤٣٩٢، شیخ شعیب الارناؤط نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

باب نمبر:23

# عدل و انصاف

کسی بھی معاشرے کی بقا اور ترقی کے لیے عدل و انصاف انتہائی ضروری ہے۔ جب تک کسی بھی معاشرے میں عدل و انصاف قائم نہ ہوگا۔ اس وقت تک وہ معاشرہ انارکی اور انتشار کا شکار ہوگا اور ترقی اور فلاح و بہبود کے راستے مسدود ہو جائیں گے۔ کیونکہ لوگ عدم تحفظ کا شکار ہو جائیں گے۔ جس کی وجہ سے لوگ چین و سکون کے ساتھ اپنے کام کاج سرانجام نہ دے سکیں گے جس سے ترقی کا سفر رک ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ معاشرے کی تباہی اور بربادی کی شکل میں سامنے آئے گا۔ اس لیے کہا جاتا ہے۔ کہ کوئی بھی ملک کفر کی بنیاد پر تو باقی رہ سکتا ہے لیکن ظلم کی بنیاد پر باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ ظلم و ناانصافی کو بہت برا جانتی ہے۔ کہ جس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے لگایا جا سکتا ہے۔

((عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "اَلْاَئِمَةُ مِنْ قُرَيْشٍ ، اِذَا حَكَمُوْا عَدَلُوْا ، وَاِذَا عَاهَدُو اَوْفُوْا ، وَاِنْ اسْتَرْحَمُوْا رَحِمُوْا ، فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ مِنْهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ . ))[1]

"سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاکم قریش سے ہوں گے، جب وہ فیصلہ کریں گے تو انصاف کریں گے، اور جب وعدہ کریں گے تو پورا کریں گے، اور جب رحم و شفقت طلب کیے جائیں گے تو رحم و شفقت کریں گے، ان میں سے جو ایسا نہیں کرے گا اس پر اللہ کے تمام فرشتوں اور

[1] مسند ابی داؤد، طیالسی، رقم: ۲۲۴۷ـ مستدرك حاكم: ٤/٥٠١، حاکم نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ ان کا کوئی فرض قبول ہوگا نہ نفل۔"

غور فرمائیں کہ جو لوگ عدل و انصاف سے کام نہ لیں ان پر اللہ کی لعنت اور تمام کائنات کی لعنت ہے۔ اور ایسے بدبختوں کی کوئی عبادت چاہے نفلی ہو یا فرضی قبول نہیں ہوتی یہ نحوست محض عدل و انصاف نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾﴾ (النساء: ۵۸)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچا دیں، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے۔"

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾﴾ (المائدہ: ۸)

"اے مسلمانو! کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے کھڑے ہونے والے، اور انصاف کی گواہی دو، کوئی قوم تمہیں انصاف کی گواہی سے نہ روکے، تم انصاف کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ تم اللہ سے ڈرو۔ جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے۔"

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾﴾ (النحل: ۹۰)

"بے شک اللہ عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے، اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا، اور بچے رہنا برائی سے، ناشائستہ کاموں سے، سرکشی سے، تمہیں نصیحت کرتا ہے شاید کہ تم دھیان کرو۔"

ان تمام آیات میں عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ جس سے عدل و انصاف کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ یہ عدل و انصاف ہر کسی کے ساتھ کرنا چاہیے۔ چاہے مسلمان ہو یا کافر، دونوں کے ساتھ انصاف ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْــٴًـا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۴۲﴾

(المائدہ: ۴۲)

"جاسوسی کرنے والے، بڑے حرام کھانے والے ہیں، اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کے درمیان فیصلہ کردیں، یا ان سے منہ پھیرلیں۔ اگر آپ ان سے منہ پھیرلیں گے تو وہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اگر آپ فیصلہ کریں گے تو ان کے درمیان انصاف پر فیصلہ کردیں۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس آیت کے معنی و مفہوم پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم ارشاد فرمایا ہے کہ کافروں کے درمیان بھی اگر فیصلہ کرنا ہے تو انصاف کے اصولوں پر مبنی فیصلہ کرنا ہے۔ کیونکہ یہی چیز اللہ کے ہاں پسندیدہ امر ہے۔ کہ ہر ایک کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۹﴾

(الحجرات: ۹)

''اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرا دو، اگر زیادتی کرے ایک دوسرے پر تو تم اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کرلے، پھر جب وہ رجوع کر لے تو تم عدل کے ساتھ ان دونوں کے درمیان صلح کرادو، اور تم انصاف کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس سے انصاف کی اہمیت واضح ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انصاف کے دامن کو کبھی بھی، کسی بھی حال میں اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ بلکہ پوری پوری کوشش کریں کہ عدل و انصاف پر مبنی فیصلہ کریں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا ۝۱۰۵﴾ (النساء: ۱۰۵)

''بلاشبہ ہم نے جو آپ کی طرف سچی بات نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کردیں۔ جو اللہ نے آپ کو دکھا دیا۔ اور آپ خیانت کرنے والوں کے لیے (طرف سے) جھگڑا (طرف داری) کرنے والے نہ بنیں۔''

ظلم کرنے والے لوگوں کا ساتھ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تباہی اور بربادی کا سبب بنے گا۔ جبکہ عدل و انصاف پر مبنی فیصلہ کرنا اور حق کا ساتھ دینے میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

((عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: "اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهِدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ، وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهِدَ ثُمَّ اَخْطَأَفَلَهُ اَجْرٌ.))

''سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو

[1] صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم، رقم: ۷۳۵۳.

فرماتے ہوئے سنا: جب حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد سے کام لے پھر وہ درست فیصلہ کرے تو اس کے لیے دوگنا اجر ہے، اور جب وہ فیصلہ کرے اور اجتہاد میں اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔"

ایک دوسری روایت مبارکہ میں ہے:

((عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ: "اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ، عِنْدَاللّٰهِ عَلَى مَنَابِرٍ مِنْ نُوْرٍ، عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ: اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِي حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَاوَلُّوْا)) ❶

"سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک انصاف کرنے والے، اللہ کے پاس نور کے منبروں پر، رحمان کے دائیں جانب ہوں گے، اور رحمان کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے فیصلوں، اپنے گھر والوں اور ان کے کاموں میں جو ان کے سپرد ہیں، عدل وانصاف کرتے ہیں۔"

ان دونوں احادیث سے عدل و انصاف پر مبنی فیصلے کرنے کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے۔ کہ انصاف کرنے والوں کو ڈبل اجر ملے گا، اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو قیامت کے دن خاص عزت و مقام حاصل ہوگا کہ دوسروں کے حصے میں نہیں آئے گا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ قابل رشک ہیں کہ جن کے جیسا بننے کی خوب کوشش کرنی چاہیے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

((عن عبد اللہ ابن مسعود قال: قَالَ النبی ﷺ: "لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اِثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسُلِّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا.)) ❶

"سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: صرف

❶ صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ، رقم: ۷۳.

دواشخاص پر رشک کرنا جائز ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا پھر اس کو راہِ حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت و دانائی سے نوازا، اور وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے، اور دوسرے لوگوں کو بھی سکھاتا ہے۔''

یعنی جو حق کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اور حق کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ یہی لوگ کامیاب ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ ہر معاملہ میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔ تاکہ کامیابیوں کا حصول ممکن ہو سکے۔



باب نمبر:24

# صدقہ وخیرات کرنا

کسی بھی معاشرے کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرہ کے خوشحال اور صاحب حیثیت لوگ وہاں کے کمزور و غریب لوگوں پر صدقہ اور خیرات کو اپنا شعار بناتے ہیں۔ کیونکہ معاشرہ میں کچھ کمزور لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی ضروریات زندگی کو پورا نہیں کر پاتے۔ ایسے لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا صاحب ثروت لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ تا کہ وہ کمزور لوگ اپنی ضروریات کو پورا کرسکیں اور معاشرے و کمیونٹی کے اندر کسی حد تک استحکام و اعتدال پیدا ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿٢٥﴾﴾

(المعارج: ٢٤، ٢٥)

”ان کے مالوں میں ایک حصہ متعین ہے۔ (صدقہ و خیرات کے لیے) سوال کرنے اور نہ کرنے والوں کے لیے، تا کہ کمزور لوگ اپنی ضروریات زندگی بہتر انداز میں پوری کرسکیں۔“

کیونکہ اس سے معاشرے میں امن وسکون پیدا ہوگا۔ بصورت دیگر معاشرے کا امن و سکون تباہ و برباد ہوسکتا ہے۔ جب لوگوں کی ضرورتیں پوری نہ ہوں گی تو وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناجائز طریقہ اپنائیں گے جو کہ ڈاکے، چوری راہزنی کی شکل میں بھی ہو سکتے ہیں۔ جس سے معاشرے کا امن وسکون تباہ و برباد ہو جائے۔ شریعت اسلامیہ نے معاشرے کو تباہی اور بربادی سے بچانے کے لیے صدقہ وخیرات کی خوب ترغیب دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

((عن ابی هريرة عن رسول الله ﷺ قال: مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ .)) [1]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صدقے نے کبھی مال کم نہیں کیا اور عفو و درگزر کی وجہ سے اللہ بندے کی عزت بڑھاتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کا مرتبہ بلند فرما دیتا ہے۔''

اس حدیث میں صدقہ کی خوب ترغیب دی گئی ہے کہ صدقہ اور خیرات کیا کرو۔ صدقہ سے مال میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝﴾

(سبا: ٣٩)

''تم جو بھی خرچ کرو گے اللہ اس کا ضرور نعم البدل عطاء فرمائے گا، کیونکہ وہ رزق دینے والوں میں سب سے بہترین ہے۔''

یعنی صدقہ سے رزق کم نہیں ہوتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ خوب دیا کرو، اور مال کے کم ہونے سے مت ڈرا کرو۔ اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ذکر کیا ہے۔

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝﴾ (الحديد: ٧)

''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس مال میں سے خرچ کرو کہ جس مال میں اللہ نے تمھیں (دوسروں کا) جانشین بنایا ہے۔ تو جو بھی تم میں سے ایمان لائیں، اور خرچ کریں۔ ان کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔''

---

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، رقم: ٢٥٨٨.

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے صدقہ خیرات میں خوب حصہ لیتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۡ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿١٦﴾ ﴾ (السجدة: ١٦)

''کہ ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف اور امید کی حالت میں پکارتے ہیں، اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ بھی کرتے ہیں۔''

یعنی صدقہ کرنا اللہ کے بندوں کی خاص صفات میں سے ہے۔اور ایسے ہی بندے قابل رشک ہیں۔

((قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ''لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا . )) [1]

''نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: ''رشک کے قابل صرف دو آدمی ہیں۔ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا پھر اسے حق کی راہ خرچ کرنے کی توفیق بھی دی، اور دوسرا وہ جس کو اللہ نے حکمت سے نوازا، اور وہ اس کے ساتھ فیصلے کرتا، اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے۔''

پس آپ بھی ایسے بندوں جیسا بننے کی دعا کیا کریں کہ جو صدقہ وخیرات کرنے والے ہیں۔صدقہ وخیرات کے فوائد ہی بہت زیادہ ہیں۔اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔اور خاص رحمت وفضل فرماتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَالصَّدَقَةُ تُطْفِيءُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِيءُ الْمَاءُ النَّارَا . )) [2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمة، رقم: ٧٣.

[2] سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة، رقم: ٢٦١٦۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

''صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا ڈالتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔''

بالکل اسی مفہوم کو قرآن پاک اس طرح بیان فرماتا ہے۔

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۰۳﴾ (التوبہ : ۱۰۳)

''آپ ان کے اموال کی زکوٰۃ وصول کیجئے تا کہ اُن کو پاک کیجئے اور اس کے ذریعہ اُن کے باطن کا تزکیہ کیجئے، اور اُن کے لیے دعا کرتے رہیے، بے شک آپ کی دعائیں ان کے لیے باعث سکون ہیں، اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''

غور فرمائیں! مالوں میں سے خیرات وصدقہ کرنا، پاکیزگی، طہارت اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا باعث ہے۔ جس کا نتیجہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکات کا حصول ہے۔ لٰہذا خوب کوشش کرنی چاہیے کہ صدقہ وخیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ کیوں کہ یہی مبارک عمل ہے۔ کہ جس سے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔




بُرے اخلاق

باب نمبر:1

# غیبت (چغلی) کرنا

زبان کی تباہ کاریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان زبان سے غیبت کرتا ہے۔ اس غیبت کرنے کو معمولی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ گناہ انتہائی بڑا گناہ ہے۔ جس کی سزا بڑی ہی بھیانک ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِحَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ" ثُمَّ قَالَ: "بَلَى، كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ.)) [1]

''سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی رحمت ﷺ کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا، ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور یہ عذاب کسی بڑی بات پر نہیں ہو رہا (پھر فرمایا) کیوں نہیں وہ بڑی بات ہی ہے۔ ان میں سے ایک چغلی کیا کرتا تھا، اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر کے عذاب کی سزا غیبت کی نحوست سے بھی ملتی ہے۔ اس سزا سے بھی بڑی سزا یہ ہے کہ جہنم میں انہی بھائیوں کی نعشوں جیسی نعشوں کا گوشت کھانا پڑے گا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله، رقم: ۲۱۶۔ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الدلیل علی نجاسة البول، رقم: ۲۹۲.

چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "لَمَّا عُرِجَ بِي مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمُشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ، فَقُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ.)) [1]

''سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معراج کی رات میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا، یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھاتے تھے، اوران کی عزتوں کو پامال کرتے تھے۔''

یعنی ایک ان کی بے عزتی کرتے تھے اور غیبت بھی کرتے تھے۔ غیبت بھی بے عزت کرنے کی ہی ایک شکل ہے تو اس غیبت کا نتیجہ ہے۔ کہ جہنم میں بدبودار اور گندا گوشت کھانے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں یوں بیان فرمایا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾﴾

(الحجرات: ١٢)

''کہ تم ایک دوسرے کی غیبت بھی مت کرو کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ یقیناً تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔ تو پھر اللہ سے ڈر جاؤ۔ بلاشبہ اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب الغیبة، رقم: ٤٨٧٨ ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ٥٣٣.

اس فرمان الٰہی سے بھی معلوم ہوا کہ غیبت کرنا اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا بہت ضروری ہے کہ غیبت کرنے سے ہر حال میں بچنا چاہیے، کیونکہ یہ انتہائی تباہ کن ہے۔ اب سوال یہ ہے؟ کہ غیبت ہے کیا؟ تو اس کا جواب بھی ہمیں حدیث نبوی ﷺ سے ملتا ہے۔ چنانچہ:

((" اَتَـدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟" قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اَعْلَمُ . قَالَ: "ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ" قِيلَ: اَفَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ اَخِي مَا اَقُولُ؟ قَالَ: "اِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَبْتَهٗ، وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ، فَقَدْ بَهَتَّهٗ . )) [1]

"نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اپنے بھائی کا ایسے انداز میں ذکر کرنا جسے وہ پسند نہ کرے۔ عرض کی گئی کہ اگر میرے بھائی میں وہ چیز موجود ہو جس کا میں ذکر کرو؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس میں وہ بات موجود ہے تو تو نے اس کی غیبت کی، اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے جو تو نے اس کی بابت بیان کی تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔"

غور فرمائیں! کہ غیبت اپنے بھائی میں موجود کسی عیب کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا ہے، مثلاً کوئی لنگڑا ہے، اس کو ذلیل کرنے کے لیے دوسروں کو کہنا کہ وہ لنگڑا جا رہا ہے، دوسروں کو معلوم ہے کہ وہ لنگڑا ہے، اور حقیقت میں بھی وہ لنگڑا ہے، لیکن یہاں بتانے کا مقصد لوگوں کو خبر دینا نہیں ہے، بلکہ اس کا مذاق اُڑانا مقصد ہے۔ جو قطعاً حرام ہے۔

((عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَكَذَا۔ تَعْنِي قَصِيرَةً– فَقَالَ: لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الغيبة، رقم: ٢٥٨٩.

الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ . )) ❶

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک دفعہ صرف اتنی بات کہہ دی کہ صفیہ جو چھوٹے سے قد کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری یہ بات اتنی کڑوی اور گندی ہے کہ اگر اس کو سمندر کے میٹھے پانی میں ملا دیا جائے تو سارے کا سارا پانی کڑوا ہو جائے۔''

یعنی تیرا یہ جملہ کہ اس کا قد چھوٹا ہے ۔ حالانکہ وہ چھوٹے قد کی تھیں، تو پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ وہ چھوٹے قد کی ہے ۔ اتنا بُرا کیوں ہوگا؟ معلوم ہوا کہ کوئی بھی ایسی بات کہ جس سے آپ کے بھائی کی تحقیر ہوتی ہو، اور وہی آپ کا مقصد بھی ہو، غیبت ہے۔ جو کہ حرام ہے۔



❶ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٨٧٥ ۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

باب نمبر:2

# راز افشاء کرنا

دین اسلام چونکہ خیر خواہی کا دین ہے جو ایک دوسرے کی بہتری چاہتا ہے، اور ہر اس کام سے منع کرتا ہے کہ جس کی وجہ سے کسی کا بھی نقصان ہوسکتا ہو، یا اس کی عزت نفس مجروح ہوسکتی ہو جو امور کسی بھی شخص کی عزت نفس کو مجروح کرنے کا باعث ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کے راز کو دوسروں کے سامنے بیان کیا جائے۔ یعنی اگر کسی نے آپ سے کوئی بات کہی ہے تو آپ پر لازم ہے کہ اس بات کو اپنے پاس رکھو۔ اس کو دوسروں تک نہ پہنچاؤ، آپ ﷺ نے فرمایا: (کہ مجالس امانت ہوتی ہیں) [1] یعنی ایک مجلس کی بات دوسروں کو نہیں بتانی چاہیے، اس بات کا خیال ہر شخص کے ساتھ رکھنا چاہیے لیکن خاص طور سے میاں بیوی کو اپنے راز کسی کے سامنے بیان نہیں کرنے چاہئیں یعنی بیوی اپنے شوہر کے ساتھ قائم کیے گئے تعلقات کے بارے میں اپنی سہیلیوں کو بتاتی پھرے۔ ایسا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا.)) [2]

”سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک قیامت کے روز امانت میں یہ بات بہت بڑی خیانت شمار ہوگی

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٨٦٨.

[2] صحیح مسلم، کتاب النکاح، رقم: ١٤٣٧.

کہ مرد اپنی بیوی کے اور بیوی اپنے شوہر کے قریب ہو، اور پھر اس کے راز کو افشا کر دے۔''

یعنی میاں بیوی کے تعلقات امانت ہیں، نہ بیوی ان تعلقات کے بارے کسی کو بتائے گی اور نہ ہی شوہر اپنے دوستوں کے سامنے اس بات کا اظہار کرے گا، اگر ایسا کرے گا تو امانت میں خیانت کرے گا۔ خیانت کرنے کی سزا بڑی سخت ہے۔ لٰہذا ضروری ہے کہ راز کو راز ہی رکھا جائے، اور اس کو افشاء کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اس میں کامیابی ہے۔



باب نمبر:3

# جھوٹ بولنا

کسی بھی شخص میں پائی جانے والی بری خصلتوں اور عادتوں میں سے سب سے بُری خصلت اور عادت جھوٹ بولنا ہے۔ یہ اتنی بری خصلت ہے کہ جس میں بھی پائی جائے اس انسان کو انتہائی معیوب اور نا قابل اعتبار بنا دیتی ہے۔ کہ کوئی شخص بھی اس کی بات کا یقین کرنے اور ماننے کو تیار نہیں ہوتا جس کی وجہ سے معاشرہ میں اس کی کوئی اہمیت وحیثیت نہیں رہتی۔ جبکہ شریعت مطہرہ انسان کو معاشرے کا انتہائی فعال فرد بنانا چاہتی ہے۔ اس وجہ سے شریعت نے جھوٹ کو بہت بُرا جانا ہے، اور بڑی سختی سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝۳۰﴾ (الحج: ۳۰)

”یہ ہے، اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے اس کے اپنے لیے اس کے رب کے پاس بہتری ہے، اور تمہارے لیے چوپائے جانور حلال کر دیئے گئے ہیں بجز ان کے جو تمہارے سامنے بیان کیے گئے ہیں۔ پس تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہیے، اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔“

یعنی ہر جھوٹی بات کو چھوڑ دو، اور کوشش کرو کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرو کہ جس سے جھوٹ کا احتمال تک ہو سکتا ہو، کیونکہ یہ چیز بھی آپ کی شخصیت کو مجروح کرے گی۔ چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان مبارک ہے

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ أَنَّهُ قَالَ: دَعَتْنِي أُمِّي يَوْمًا وَرَسُولُ

اللّٰهِ ﷺ قَاعِدٌ فِي بَيْتِنَا ، فَقَالَتْ: هَا تَعَالَ أُعْطِيكَ ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِيهِ؟ قَالَتْ: أُعْطِيهِ تَمْرًا ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَمَا إِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ . )) [1]

''سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری ماں نے مجھے ایک مرتبہ بلایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، تو اس نے کہا کہ ادھر آؤ میں تمہیں ایک چیز دونگی ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تم نے کیا دینے کا ارادہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں کھجور دوں گی ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہا، اگر تم اس کو کچھ نہ دیتی تو تمہارے اوپر ایک جھوٹ کا گناہ لکھا جاتا۔''

غور فرمائیں! کہ بچوں کے ساتھ بھی اگر کوئی وعدہ کیا ہے تو اس کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر بچوں کا یہ ذہن بن جائے گا کہ ہمارے والدین وعدے تو کرتے ہیں لیکن دیتے کچھ نہیں جس کی وجہ سے والدین کی بات پر بھی اعتماد نہیں رہے گا۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہے کہ اولاد کے ساتھ بھی جھوٹی بات نہ کی جائے۔ اس طرح مذاقاً جھوٹ بولنا بھی انتہائی بڑا جرم ہے۔ اس جرم سے بھی اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔

(( عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ ، وَيْلٌ لَهُ ، وَيْلٌ لَهُ . )) [2]

''جناب بہز بن حکیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد (حکیم) نے اپنے والد (معاویہ بن حیدہ قشیری رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے: ہلاکت ہے اس کے لیے جو اس غرض سے

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٩٩١ ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ٧٤٨.
[2] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٩٩٠ ـ صحيح الجامع الصغير، رقم: ٧١٣٦.

جھوٹ بولے کہ اس سے لوگ ہنسیں۔ ہلاکت ہے اس کے لیے! ہلاکت ہے اس کے لیے!۔"

یہ تباہی اور بربادی مذاقاً جھوٹ بولنے سے ہے، اور جو جھوٹ جان بوجھ کر سوچ سمجھ کر پلاننگ کے تحت کسی کو ضرر پہنچانے یا اپنا کوئی دوسرا مقصد حاصل کرنے کے لیے بولا جائے اس کا کیا گناہ ہوگا؟ العیاذ باللہ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مذاقاً بھی جھوٹ نہ بولا جائے۔ اور مکمل طور پر اپنے آپ کو بچانا چاہیے، اور ہر اس حرکت سے بچیں کہ جو جھوٹ کی طرف لے جاتی ہو یا جھوٹ کا شبہ پیدا کرسکتی ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ہر سنی سنائی بات کو آگے سنانے کو بھی جھوت قرار دیا ہے۔

((عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ .)) [1]

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کردے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کیے آگے پہنچانا بھی جھوٹ ہے۔ لہٰذا جب تک کبھی کسی بھی بات کا مکمل یقین نہ ہو جائے اس وقت تک آگے نہیں پہنچانی چاہیے۔ اس باب میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت وحکم ملاحظہ فرمائیں۔

((عَنْ أَبِی الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيِّ قَالَ: قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ مَا حَفِظْتَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيبَةٌ .)) [2]

"سیدنا ابوالحوراء السعدی سے روایت ہے کہ میں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ

---

[1] صحيح مسلم، مقدمة، رقم: ٨.

[2] سنن الترمذی، كتاب صفة القيامة، رقم: ٢٥١٨ ـ البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

سے پوچھا کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کیا یاد ہے؟ انھوں نے فرمایا، مجھے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ یاد ہیں: وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے شک میں ڈالے، اور اس کو اختیار کر جس کے بارے میں تجھے شک وشبہ نہ ہو۔ اس لئے کہ سچ اطمینان کا باعث ہے، اور جھوٹ شک اور بے چینی ہے۔''

یعنی جس بات میں شک ہو اس کو آگے نقل کرنا جھوٹ ہے۔ اور جس میں شک نہ ہو وہ سچ ہے۔ اس بات کو آگے پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس میں جھوٹ یا جھوٹ کا اندیشہ نہیں ہے۔ مومن ہر اس بات سے بچتا ہے کہ جس سے اس کی عزت پر حرف آ سکتا ہو۔ اس وجہ سے مومن کسی غیر یقینی بات کو آگے نقل نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ جھوٹ کی ایک قسم ہے۔ اور جھوٹ بولنا مومن کا کام نہیں ہے۔ بلکہ منافقین کی گندی خصلتوں میں ہے۔ چنانچہ:

((عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ.))[1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: منافق کی علامتیں تین ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، اور جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔''

یعنی جھوٹ بولنا منافق کا کام ہے۔ ایمانداروں کو ایسا کرنا قطعاً زیب نہیں دیتا۔ لیکن اگر ایسا کیا جائے گا یعنی جھوٹ بولا جائے گا، اور جھوٹ بولنے کی کوشش کی جائے گی تو پھر اس کا انجام بڑا ہی بھیانک ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ۬ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝۳ ﴾ (الزمر: ۳)

''خبردار! اللہ کے لیے خاص عبادت کرنا ہے، اور جن لوگوں نے ان کے علاوہ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الایمان، رقم: ۳۳.

اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کے نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں، یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ راہ نہیں دکھاتا۔''

اس کی مزید وضاحت رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ، وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ، وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا، وَعَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ، وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ، وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا .))[1]

''عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جھوٹ سے بچو۔ بلاشبہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے، اور گناہ جہنم میں پہنچانے والا ہے۔ بلاشبہ جو انسان جھوٹ بولتا ہو اور جھوٹ ہی کے درپے رہتا ہے تو وہ بالآخر اللہ کے ہاں کذاب (انتہائی جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔ (ہمیشہ) سچ اپناؤ، سچ (انسان کو) نیکی کی رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت میں پہنچاتی ہے، اور جو شخص سچ بولتا اور سچ کے درپے رہتا ہے تو وہ بالآخر اللہ کے ہاں صدیق (انتہائی سچا) لکھ دیا جاتا ہے۔''

ان دونوں دلیلوں پر غور فرمائیں کہ جھوٹے شخص کو کبھی بھی ہدایت کی توفیق نہیں ملتی، بلکہ وہ تو گمراہی کے راستے پر ہی لگا رہتا ہے۔ گناہ ہی گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔ کہ جس کا نتیجہ جہنم ہے۔ اس طرف اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله، رقم: ٢٦٠٧.

﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾﴾ (الزمر: ٦٠)

''جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے۔ کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں؟''

یہ بدترین سزا جھوٹ بولنے کا نتیجہ ہے۔ کہ ان کے چہروں کو سیاہ (منہ کالا) کر کے جہنم میں ڈالا گیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جھوٹ سے بچا جائے۔ کیونکہ یہ انتہائی بُری عادت ہے۔ کہ جو انسان کو بُرا بنا دیتی ہے۔ اور بُرا انسان ناکام ہی ہوا کرتا ہے۔



باب نمبر:4

# گالی گلوچ کرنا

زبان کی فحش گوئی میں سے یہ بھی ہے کہ زبان سے کسی کو گالی دی جائے۔ گالی دینا بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ گالی دینے سے ایک مسلمان کی تحقیر کرنا مقصود ومراد ہوتی ہے۔ دین اسلام ایسا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ . )) [1]

''مسلمان کو گالی دینا بڑا گناہ ہے، اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گالی گلوچ سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے، اور اگر کوئی گالی دیتا ہے، اور اگر کوئی گالی دے تو کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا جواب گالی سے نہ دیا جائے۔ بلکہ اپنی زبان کو محفوظ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ فرشتہ آپ کی طرف سے گالی کا جواب دے رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارکہ کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

((عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ وَمَعَهُ أَصْحَابُهُ وَقَعَ رَجُلٌ بِأَبِي بَكْرٍ فَآذَاهُ، فَصَمَتَ عَنْهُ أَبُوبَكْرٍ، ثُمَّ آذَاهُ الثَّانِيَةَ، فَصَمَتَ عَنْهُ أَبُوبَكْرٍ، ثُمَّ آذَاهُ الثَّالِثَةَ فَانْتَصَرَ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ حِينَ انْتَصَرَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ: أَوَجَدْتَ عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: نَزَلَ مَلَكٌ مِنَ السَّمَاءِ يُكَذِّبُهُ بِمَا قَالَ لَكَ، فَلَمَّا انْتَصَرْتَ وَقَعَ الشَّيْطَانُ فَلَمْ أَكُنْ لِأَجْلِسَ إِذْ وَقَعَ الشَّيْطَانُ . )) [2]

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الايمان، رقم: ٤٨.

[2] سنن ابی داؤد، كتاب الادب، رقم: ٤٨٩٦. سلسلة الصحيحة، رقم: ٢٣٧٦.

''جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے ایک بار رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے، اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی تھے کہ ایک آدمی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا، اور انہیں اذیت دی، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ اس نے پھر دوسری بار اذیت دی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ اس نے پھر تیسری بار اذیت دی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے بدلے میں کچھ کہا۔ جب سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے بدلہ لیا تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آسمان سے ایک فرشتہ اترا تھا جو اس آدمی کو اس کے کہے پر جھٹلا رہا تھا۔ جب تم نے اس سے بدلہ لیا تو شیطان آ گیا۔ اور جب شیطان آ گیا تو میں نہیں بیٹھ سکتا۔''

یعنی جب تک گالی کا جواب نہ دیا تھا اس وقت فرشتہ جواب دے رہا تھا لیکن جب تو نے گالی کا جواب دیا تو فرشتہ چلا گیا۔ اور شیطان آ گیا۔ جو فساد پھیلانا چاہتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ کے بندے گالی گلوچ سے بچتے ہیں۔ اور گالی کا جواب گالی سے نہیں دیتے۔ چنانچہ

''سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو یہودیوں نے ان کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ انھیں گالیاں دیں اور بُرا بھلا کہا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے بارے میں کلمہ خیر کہا اور انھیں دعائیں دی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے کہا: حضرت! عجیب بات ہے آپ ان کو دعائیں دے رہے ہیں اور ان کے بارے میں کلمہ خیر کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ آپ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر رہے ہیں؟ فرمایا: ''كُلُّ وَاحِدٍ يُنْفِقُ مِمَّا عِنْدَهُ'' ''ہر شخص وہی خرچ کرتا ہے اور منہ سے وہی نکالتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے''۔ (سنہرے اوراق: ص ۳۷۱)

یعنی یہ گالی دیتا ہے اس لیے کہ اس کے پاس گالی کے سوا کچھ اور تھا ہی نہیں۔ چونکہ

میرے پاس گالی نہیں ہے تو گالی کیوں دوں۔ میرے پاس اس سے بہتر الفاظ موجود ہیں۔ تو میں ان الفاظ سے جواب دیتا ہوں یعنی مومن گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا کرتے، بلکہ یہ نافقین کی گندی خصلتوں میں سے ہے۔ چنانچہ "نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ .)) ❶

"اور جب جھگڑا کرتا ہے تو گالی بکتا ہے۔"

اس وجہ سے ضروری ہے کہ گالی گلوچ سے بچا جائے۔ اور کوشش کی جائے کہ گالی نہ دی جائے کیونکہ جو گالی کی ابتداء کرتا ہے، گالی دینے کا گناہ اس کے سر ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

((ان رسول الله ﷺ قال: "اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا ، فَعَلَى الْبَادِئِ ، مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ .)) ❷

"جب دو آدمی ایک دوسرے کو گالیاں دیں تو زیادہ مجرم وہ ہے جس نے پہل کی جب کہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔"

غور فرمائیں کہ جس نے ابتداءً گالی دی ہے، دونوں کی گالیوں کا گناہ پہلے کے سر ہے۔ جب تک کہ دوسرا پہلے سے بھی بڑھ کر گالیاں نہ دے۔ اگر گالی دینے میں زیادتی کرے گا تو پھر دونوں ہی گناہ میں مشترک ہو جائیں بصورت دیگر گناہ پہلے گالی دینے والے کے سر ہوگا۔ لہٰذا گناہ سے بچنے کے لیے گالی کی ابتداء سے اور گالی کے جواب میں گالی دینے سے قطعی طور پر بچا جائے۔



❶ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، رقم: ۳۳ ـ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصال المنافق، رقم: ۵۹.

❷ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، رقم: ۲۵۸۷.

باب نمبر:5

# ترش مزاجی

ترش مزاجی کا مطلب ہے کہ تند و تیز لہجے کے ساتھ گفتگو کرنا یا سخت اندازِ گفتگو اپنانا۔ ایسا کرنا ایک اچھے انسان کی اچھی صفات کے منافی ہے۔ اور دوسروں کے مقابل اپنی بڑائی ظاہر کرنے کو واضح کرتا ہے۔ کہ جس سے دوسروں کی خفت اور حقارت یقینی ہے۔ کہ جس کی شریعت مطہرہ قطعاً اجازت نہیں دیتی۔ اسی وجہ سے شریعت مطہرہ نے ترش اندازِ گفتگو کو انتہائی ناپسند کیا ہے اور ایسے شخص کے لیے جنت میں داخلہ کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ فرمانِ رحمت دو عالم ہے:

((عن حارثة بن وهب قال: قال رسول الله ﷺ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ ، وَلَا الْجَعْظَرِيُّ .)) [1]

''سیدنا حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ترش رو، بدمزاج جنت میں داخل نہیں ہوگا اور نہ تکبر سے چلنے والا۔''

ہادی عالم ﷺ کا ایک اور فرمان ملاحظہ کریں۔

((عن حارثة بن وهب الخراعى عن النبى ﷺ قال: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلِّ ضَعِيفٍ مُتَضَاعِفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلِّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ .)) [2]

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٨٠١ـ مسند ابویعلی، رقم: ١٤٧٦، عن ابی بکر بن ابی شیبة بہ۔ مصنف أبي شيبه: ٣٢٨/٨، مستدرك حاكم: ٦٠/١، ٦١، حاکم نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الکبر، رقم: ٦٠٧١.

''سیدنا حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں جنت والوں کے متعلق خبر نہ دوں؟ ہر کمزور اور عاجزی کرنے والا، اگر وہ اللہ کا نام لے کر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم کو پورا کر دے۔ کیا میں تمہیں دوزخ والوں کے متعلق خبر نہ دوں؟ ہر سخت طبیعت، اکڑ کر چلنے والا اور متکبر۔''

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ بدمزاج سخت گفتگو کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ بلکہ ایسے لوگ تو جہنم کا ایندھن ہیں۔ جنت میں جانے والے تو عاجزی اور مسکینی کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔ چونکہ اللہ کے بندے جنت کے متلاشی ہیں اسی وجہ سے وہ کبھی بھی غلط انداز گفتگو نہیں اپناتے۔ بلکہ بہت ہی اچھے انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے:

((عن عبداللہ بن عمرو بن العاص قال: لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا ، وَقَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ اَحْسَنَكُمْ خُلُقًا . )) [1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدگو نہ تھے، اور نہ آپ بدزبان تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: تم میں سب سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔''

غور فرمائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بے حیائی پر مبنی گفتگو کرتے تھے، اور نہ ہی کلام میں سخت انداز اپناتے تھے۔ بلکہ انتہائی نرمی اور عاجزی والا انداز اپناتے تھے کیونکہ ایسا انداز گفتگو ہی اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ اور لوگوں کے ہاں مقبول ہے۔ کہ جس پر اللہ تعالیٰ بے پناہ اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔ فرمان محبوب رب العالمین ہے کہ:

((عن ابی الدرداء: ان النبی ﷺ قال: مَا شَیْءٌ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب رقم : ٦٠٢٩.

الْـمُـوْمِـنِ یَـوْمَ الْـقِیَـامَةِ مِـنْ خُلُقٍ حَسَنٍ ، وَاِنَّ اللّٰـهَ لَیُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیِّءَ . ))❶

''سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت والے دن مومن بندے کے میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ بدزبان اور بے ہودہ گوئی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے۔''

یعنی ترش انداز قطعاً اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی ایسا انداز گفتگو اپنائے گا تو یقیناً اللہ کو ناراض کرے گا۔ کہ جس سے دنیا اور آخرت کی تباہی لازم آئے گی۔ اس تباہی اور بربادی سے بچنے کے لیے لازم ہے کہ ترش اور بدمزاجی سے بچا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اخلاق مزاج کو سنوارنے کی توفیق عطاء فرمائے۔



❶ سنن ترمذی ، کتاب البر والصلة ، رقم : ۲۰۰۲۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ۸۱۶.

باب نمبر:6

# بہتان اور تہمت لگانا

معاشرے کو تباہ کرنے والے امور میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ پاک باز مرد اور عورتوں پر بہتان اور الزام تراشی کی جائے۔ ایسا کرنے سے معاشرے میں لڑائی جھگڑا عام ہوتا ہے کہ جس سے معاشرے کا امن وسکون برباد ہو جاتا ہے۔ جبکہ دین اسلام امن وسلامتی والا دین ہے۔ جو کہ معاشرہ کی فلاح و بہبود چاہتا ہے۔ اور کسی ایسے کام کی اجازت نہیں دیتا کہ جو معاشرے کی تباہی و بربادی کا سبب بن سکے۔ اسی وجہ سے دین اسلام نے الزام تراشی اور تہمت لگانے سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (النور: ١٦، ١٧)

”تم نے ایسی بات سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں، یا اللہ تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے اور تہمت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے پھر کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو۔“

یعنی الزام تراشی کے قریب نہیں جاتا، اور نہ کوئی ایسی بات کرتا ہے کہ جس سے الزام تراشی کی نوبت آئے۔ کیونکہ ایسا کرنا بدترین جرم ہے۔ ارشادات ربانی ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝﴾ (الاحزاب: ٥٨)

”اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف دیں بغیر کسی جرم کے جو ان

سے سرزد ہوا ہو وہ بڑے ہی بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۱۱۲﴾ (النساء: ۱۱۲)

''جو شخص کوئی گناہ یا خطا کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ تھوپ دے اس نے بہت بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا۔''

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ الزام تراشی بدترین جرم ہے۔ کہ جس کی سزا الزام لگانے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ضرور ملے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۲۳ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲۴ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۝۲۵﴾ (النور: ۲۳تا۲۵)

''جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی باایمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، وہ دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں، اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔ جبکہ ان کے مقابلے ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے ساتھ دے گا، اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے، اور وہی ظاہر کرنے والا ہے۔''

غور فرمائیں الزام تراشی کی سزا دنیا میں لعنت ہے۔ اور آخرت میں بدترین عذاب ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ الزام تراشی سے بچا جائے جب تک کسی بھی بات کے متعلق سو فیصد یقین نہ ہو جائے۔ اس وقت بات منہ سے نہ نکالنا چاہیے۔ اور نہ ہی آگے پہنچانی چاہیے یہی عافیت اور کامیابی کی راہ ہے۔



باب نمبر:7

# مسلمان بھائی کا مذاق اُڑانا

چونکہ ایسا کرنے میں ایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل ہے کہ جس سے اس کو تکلیف پہنچتی ہے ۔ ایسا کرنا بہت بڑا جرم ہے کہ جس کی شریعت مطہرہ قطعاً اجازت نہیں دیتی ہے۔ ایسا کرنے والوں کو مجرم اور عذاب جہنم کا مستحق قرار دیتی ہے۔ارشار ربانی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ؗ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۹﴾ (التوبہ: ۷۹)

”وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں فراخ دلی سے خیرات کرنے والے مومنوں پر (ان کے ) صدقات میں اور ان پر جو نہیں پاتے سوائے (یعنی تھوڑی سی ) اپنی محنت مزدوری کے، پس وہ ٹھٹھا کرتے ہیں ان سے، مذاق کرے گا اللہ ان سے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

ایک دوسرے مقام پر رب تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶۵ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۶۶﴾

(التوبہ: ٦٥،٦٦)

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے ہم تو تھے صرف شغل کے طور پر باتیں اور دل لگی کرتے ، کہہ دیجئے کیا اللہ کے ساتھ، اور اس کی آیتوں، اور اس

کے رسولوں کے ساتھ تھے تم مذاق کرتے (اب) نہ تم عذر پیش کرو۔ یقیناً تم نے کفر کیا ہے اپنے ایمان کے بعد اگر ہم معاف بھی کر دیں ایک گروہ کو تم میں سے ہم عذاب دیں گے ایک گروہ کو باسبب اس کے کہ بلاشبہ وہ ہیں مجرم۔''

ان دونوں آیات سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مذاق کرنے کی سزا جہنم ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا کی تباہی بھی لازم ہے۔ اس وجہ سے کسی عقل و شعور والے انسان کو قطعاً زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی کا مذاق اُڑائے۔ بلکہ یہ کام یکسر جہلاء کا ہے کہ جو عقل و شعور سے عاری ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً١ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا١ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۝۶۷ ﴾

(البقرہ: ٦٧)

''اس وقت کو یاد کرو کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا۔ بلاشبہ اللہ تم کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ تو انہوں نے (جواباً) کہا کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں تو موسیٰ نے جواب دیا میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں جہلاء میں سے ہو جاؤں۔''

اس فرمان الٰہی سے معلوم ہوا کہ مذاق جہلاء کا کام ہے، سمجھ دار لوگ ایسی گھٹیا حرکت نہیں کرتے کہ جس سے کسی کا دل دکھے۔ کیونکہ ایسا کرنا غضب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ بقول شاعر ؏

نہ کسی کا دل دکھا اور نہ کسی کی آہ لے
دل کے دکھ جانے سے نادان عرش بھی ہل جاتے ہیں

لہٰذا ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہیے کہ کسی کا دل نہ دکھے، اور مذاق اڑانا ایسا کام ہے کہ جس سے دل کا دکھ جانا لازم آتا ہے۔ اس وجہ سے مذاق اُڑانے سے ہمیشہ بچتے رہیں۔ یہی عافیت کی راہ ہے۔

باب نمبر:8

# فضول بے مقصد بحث وتکرار

حکمت و دانائی یہ ہے کہ بات سوچ سمجھ کر کی جائے۔فضول گفتگو بے مقصد وتکرار کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے۔

((اَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ .)) [1]

''اپنی زبان پر کنٹرول رکھو (یعنی خاموش رہو)۔''

حالانکہ یہی خاموشی بہتر اور کامیابی کی دلیل ہے۔

((عَنْ بِلَالَ بْنَ الْحَارِثِ الْمُزَنِیَّ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ: إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ، فَيَكْتُبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا سَخَطَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ .)) [2]

''بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا والی کوئی ایسی بات کہہ جاتا ہے اور اسے اس کی عظمت کا احساس تک نہیں ہوتا، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت تک اس پر راضی ہو جاتا ہے۔اسی طرح کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضی والی کوئی

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الزھد، رقم: ۲٤۰٦۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ۸۸۸.

[2] سنن ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء قلة الكلام، رقم: ۲۳۱۹۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

بات کہہ جاتا ہے، اور اسے اس کی سنگینی کا احساس تک نہیں ہوتا، مگر اس ایک بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر قیامت تک ناراض ہو جاتا ہے۔“

یہ ناراضگی محض ایک بات کی وجہ سے ہے کہ ایک بات ایسی کہی جو جہنم میں لے جانے کا سبب بن گئی۔ کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گیا، جس سے معلوم ہوا کہ بولنے میں انتہائی احتیاط اور ضبط کا مظاہرہ کرنا چاہیے، جہاں ضرورت ہے بولا جائے، لیکن جہاں ضرورت نہ ہو، بولنے سے قطعاً گریز کیا جائے، اور اللہ کے نیک و صالح بندے ہمیشہ بولنے میں احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ اور فضول بحث و تکرار میں اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾﴾ (الفرقان : ٦٣)

”رحمٰن کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین میں فروتنی و عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں سلام ہے۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾﴾

(الفرقان : ٧٢)

”جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔“

ایک اور جگہ یوں فرمایا:

﴿وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿٥٥﴾﴾ (القصص : ٥٥)

”اور جب بے ہودہ بات کان میں پڑتی ہے تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں، اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے تم پر

سلام ہو ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔''

ان تینوں آیات کے مفہوم پر غور فرمائیں کہ اللہ کے بندے جاہلوں سے فضول بحث و تکرار نہیں کرتے۔ بلکہ شریفانہ انداز میں سلام کرتے چلے جاتے ہیں۔ لغو اور بیکار چیزوں اور باتوں میں حصہ نہیں لیتے۔ بلکہ لغو اور بیکار چیزوں کے پاس سے انتہائی معززانہ انداز سے گزر جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝١ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝٢ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝٣﴾ (المومنون: ١۔٣)

''یقیناً ایمان والوں نے فلاح و کامیابی حاصل کر لی۔ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔ جو لغو بات سے منہ موڑتے ہیں۔''

یعنی فضول بحث و تکرار میں اپنا وقت صرف نہ کریں، ہاں! جو علمی بحث ہو، دینی مسائل کی تحقیق کے لیے بحث و تکرار کرے تو یہ بحث و تکرار مفید ہے، اور یہ وقت کا ضیاع بھی نہیں ہے۔ یہ لوگ کامیاب ہیں۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ فضول بحث و تکرار میں اپنا وقت ضائع نہ کریں، ہاں! جو علمی بحث ہو دینی مسائل کی تحقیق کے لیے بحث و تکرار کرنا یہ بحث و تکرار انتہائی مبارک ہو گی۔ جبکہ بحث کرنے کا مقصد صحیح بات تک پہنچنا ہو۔ اس کے برخلاف بحث کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ نقصان ہی نقصان ہے۔



باب نمبر:9

# خوشامد و چاپلوسی کرنا

خوشامد کا مطلب ہے چاپلوسی کرنا یعنی کسی کو خوش کرنے کے لیے حد سے بڑھ کر اس کی تعریف و توصیف بیان کرنا۔ تاکہ اس کو خوش کیا جاسکے اور اس سے کچھ فوائد حاصل کیے جائیں۔ ایسا کرنے میں چونکہ جھوٹ اور مبالغہ آرائی کا عنصر شامل ہوتا ہے، اور یہ دونوں ہی چیزیں ہلاکت و تباہی کا باعث ہیں۔ اسی وجہ سے شریعت مطہرہ اس خوشامد کی قطعاً اجازت نہیں دیتی۔ بلکہ بڑی ہی سختی سے منع فرماتی ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ملاحظہ فرمائیں۔

((عَنْ هُمَّامٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ فَأَثْنٰى عَلَى عُثْمَانَ فِي وَجْهِهِ، فَأَخَذَ الْمِقْدَادُ بْنُ الْاَسْوَدِ تُرَابًا فَحَثَا فِي وَجْهِهِ، وَقَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا لَقِيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِي وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ.)) [1]

''جناب ہمام (بن حارث رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور اس نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے منہ پر ان کی تعریف شروع کر دی۔ تو مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے مٹی اٹھائی اور اس کے منہ پر دے ماری، اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب تمہارا سامنا ایسے لوگوں سے ہو جو بہت زیادہ مدح سرائی اور خوشامد کرنے والے ہوں تو ان کے منہوں میں مٹی ڈالو۔''

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٨٠٤ (واللفظ له)۔ صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقاق، رقم: ٣٠٠٢.

کیونکہ خوشامدی لوگ ان لوگوں کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالنے والے ہوتے ہیں کہ جن کی وہ تعریف کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ جن کی تعریف کی جاتی ہے ان میں تکبر اور غرور خود بخود آجاتا ہے۔ کیونکہ انسانی طبع ہے ہی کچھ اس طرح کی کہ اس کو اپنی تعریف اچھی لگتی ہے۔ اور جب اس کی تعریف کی جائے تو یہ پھولنے لگ جاتا ہے، اس کا یہی عمل تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا بہت زیادہ تعریف کرنے والوں کے منہ پر مٹی ڈال دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا کہ جو تعریف کے بھوکے ہوں اور تعریف کیے جانے کو ہی پسند کرتے ہوں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٨٨﴾

(آل عمران: ۱۸۸)

''وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں، اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں، آپ انہیں عذاب سے چھٹکارا میں نہ سمجھئے۔ ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ناکردہ کام کی تعریف حاصل کرنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں یعنی جس تعریف کے قابل نہیں وہ ان کی تعریف کی جائے۔ قطعاً جرم ہے۔ ہاں۔ جو جائز تعریف ہے وہ کی جاسکتی ہے لیکن مبالغہ آرائی پر مبنی تعریف سے بچنا ہی بہت اچھا ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے:

((عَنْ عَبْدِالرَّحْمَنِ ابْنِ أَبِی بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ: اَنَّ رَجُلًا اَثْنٰی عَلٰی رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ لَهُ: قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قَالَ: اِذَا مَدَحَ اَحَدُكُمْ صَاحِبَهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ: اِنِّی اَحْسِبُهُ كَمَا يُرِيْدُ اَنْ يَقُوْلَ وَلَا اُزَكِّيْهِ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی .)) [1]

[1] صحیح البخاری، کتاب الادب، رقم: ٦٠٦١۔ صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقاق، رقم: ٣٠٠٠.

”جناب عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی موجودگی میں دوسرے کی تعریف کی تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی۔ آپ ﷺ نے یہ تین بار فرمایا۔ پھر فرمایا: اگر کوئی اپنے کسی ساتھی کی مدح کرنا ہی چاہتا ہے تو چاہیے کہ یوں کہے۔ میں اسے یوں سمجھتا ہوں ........... کہ وہ ایسے ایسے ہے ........... اور اللہ کے علم کے مقابلے میں، میں اس کی صفائی نہیں دیتا۔“

غور فرمائیں مبالغہ آرائی پر مبنی تعریف کے متعلق آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ تو نے اس کو ہلاک کر دیا ہے کیونکہ اس سے تکبر اور غرور پیدا ہوگا جو نقصان ہی نقصان ہے۔ لہٰذا کوشش کرنا چاہیے کہ مبالغہ آرائی پر مبنی تعریف کرنے اور سننے سے اپنے آپ کو بچایا جائے، اور اگر تعریف کرنی بھی ہو تو مذکورہ حدیث میں بیان کردہ انداز اپنانا چاہیے۔



باب نمبر:10

# کہنا کچھ، کرنا کچھ اور

قول و فعل کا ایک دوسرے کے مخالف ہونا قطعاً ناپسندیدہ ہے۔ ایسے شخص کو کوئی بھی پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتا۔ بلکہ ایسے کردار کے حامل افراد کو انتہائی بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ اللہ کا قرآن تو ایسے لوگوں کو انتہائی بیوقوف قرار دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۴۴﴾ (البقرہ: ٤٤)

”کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کو بھی پڑھتے ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو؟“

یعنی قول فعل کا تضاد تو بیوقوفوں کا کام ہے۔ مومنوں کو ایسا کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو منافقوں کا کام ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱﴾

(المنافقون: ١)

”تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔“

یعنی جو کچھ کہہ رہے ہیں نہ تو ان کا ویسا کردار ہے، اور نہ ہی دل میں اس کا یقین رکھتے ہیں، کیونکہ یقین کی وجہ سے عمل قول کے مطابق ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَمَا اِنَّهُمْ اِخْوَانُكُمْ وَمِنْ جِلْدَتِكُمْ وَيَاْخُذُوْنَ مِنَ اللَّيْلِ كَمَا تَأْخُذُوْنَ، وَلٰكِنَّهُمْ اَقْوَامٌ اِذَا خَلَوْا بِمَحَارِمِ اللّٰهِ اِنْتَهَكُوْهَا .)) ❶

''سنو! وہ تمہارے بھائی ہوں گے، تمہارے کنبے اور قبیلے کے ہوں گے، جیسے تم راتوں کو عبادت کرتے ہو وہ بھی عبادت کریں گے، لیکن یہ لوگ جب تنہائی میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ کاموں کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔''

یعنی یہ منافق لوگ ہیں کہ جن کا کردار ظاہر اور باطن میں الگ الگ ہو۔ ایسے ہی لوگ کہ جن کا ظاہر و باطن اور قول وفعل میں تضاد ہو بدترین لوگ ہیں کہ جن پر اللہ کا غضب نازل ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾ (الصف: ٢، ٣)

''یعنی ایسی بات کہنا کہ جس پر انسان خود عمل کرنے کے لیے تیار نہ ہو، اللہ کے نزدیک بہت بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ جس کی سزا بدترین عذاب کی شکل میں سامنے آئے گی۔''

((عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قَالَ: مِنْ شَرِّ النَّاسِ ذُوالْوَجْهَيْنِ الَّذِی يَاْتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ .)) ❷

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: بدترین ہے وہ آدمی جو دو رُخا ہو کہ ان کے پاس جائے تو ایک منہ ہو، اور دوسروں کے پاس جائے تو دوسرا منہ ہو۔''

یہ منافقانہ انداز ہے، اور قول وفعل کے تضاد اور ظاہر و باطن کے مخالف ہونے کا مظہر ہے۔ کہ جس کی سزا بدترین ہوگی۔

❶ سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الذنوب، رقم: ٤٢٤٥ - سلسلة الصحيحة، رقم: ٥٠٥.

❷ صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، رقم: ٢٥٢٦.

''نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا، اور آگ میں ڈال دیا جائے گا پس اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی، وہ انہیں لے کر ایسے گھومے گا جیسے گدھا چکی میں گھومتا ہے۔ جہنمی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے، اور کہیں گے اے فلاں! تجھے کیا ہوا، کیا تو نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا؟ وہ کہے گا، ہاں! میں لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا، لیکن خود نہیں کرتا تھا، اور دوسروں کو برائی سے روکتا تھا، لیکن خود اس کا ارتکاب کرتا تھا۔'' [1]

غور فرمائیں! جہنم کی یہ سزا قول و فعل کے تضاد اور منافقت کا نتیجہ ہے۔ اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے اس انداز سے بیان فرمایا ہے۔

﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٤﴾﴾ (المنافقون : ٤)

''گویا کہ یہ لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے سے لگائی ہوئی ہر سخت آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں یہی حقیقی دشمن ہیں، ان سے بچو، اللہ انہیں غارت کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔''

یعنی منافقین کو اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کرے گا۔ یہ تباہی اور بربادی ان کے قول و فعل میں تضاد کی وجہ سے ہوگی، تو کوشش کرنی چاہیے کہ قول و فعل کے تضاد سے بچیں جو کچھ کہیں اس کے مطابق اپنے عمل کو بھی بنائیں۔ کیونکہ اس میں کامیابی ہے، اور یہی عقلمندی اور ہوشیاری کی دلیل ہے۔



[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار، رقم: ٣٢٦٧۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب عقوبة من یامر بالمعروف ولا یفعله، رقم: ٢٩٨٩.

باب نمبر:11

# لڑائی جھگڑا

لڑائی جھگڑا چونکہ معاشرہ کے امن و امان اور سکون کو برباد کر دیتا ہے کہ جس سے معاشرتی زندگی اجیرن بن جاتی ہے، اور ایک دوسرے کے حقوق پامال ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلامی معاشرے میں لڑائی جھگڑے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ دین اسلام لڑائی جھگڑے کو بڑا گناہ قرار دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

((عن عبداللہ: ان النبی ﷺ قال: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ.)) [1]

"سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، اور اس سے لڑنا کفر ہے۔"

اس وجہ سے لڑائی جھگڑا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا، بلکہ یہ تو منافقین کی علامت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝٢٠٤﴾ (البقرہ: ٢٠٤)

"بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں، اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے۔"

یہ جھگڑا منافقین کی پہچان ہے، مومن جھگڑے سے بچتا ہے، کیونکہ جھگڑے میں تکبر اور غرور کا عنصر پایا جاتا ہے، حالانکہ یہ چیز انسان کو زیب نہیں دیتی۔ ارشاد ربانی ہے:

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الایمان، رقم: ٤٨.

﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾

(یٰسین: ۷۷)

''کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا پھر یکا یک وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا۔''

یعنی پیدائش کو دیکھے کہ پاؤں تلے روندی جانے والی مٹی سے ہے۔لیکن اس حقارت اور ذلالت کے باوجود جھگڑا کرتا ہے، ایسا کرنا اس کو زیب نہیں دیتا۔لڑائی جھگڑا مسلمان کے ساتھ ساتھ تو قطعاً نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے ظلم و زیادتی اور مسلمان کے ڈر اور خوف میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے، اور مسلمان کو ڈرانا قطعاً جائز نہیں ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِی لَيْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ أَنَّهُمْ كَانُوا يَسِيرُونَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَانْطَلَقَ بَعْضُهُمْ إِلَى حَبْلٍ مَعَهُ فَأَخَذَهُ فَفَزِعَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا . ))[1]

''جناب عبدالرحمٰن بن ابولیلی روایت کرتے ہیں کہ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے ہمیں بیان کیا کہ وہ لوگ نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے تو ان میں سے ایک آدمی سو گیا، اور دوسرا اس سے ایک رسی لینے لگا جو اس کے پاس تھی تو وہ ڈر گیا، نبی ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ دوسرے مسلمان کو ڈرائے۔''

یعنی مسلمان کو ڈرانا خوف میں مبتلا کرنا قطعی طور پر حرام ہے۔لڑائی جھگڑے میں یہ چیز خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔اس وجہ سے لڑائی جھگڑا انتہائی نقصان دہ ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ۵۰۰۴۔ مسند احمد: ۳۶۲/۵، رقم: ۲۳۰۶۴، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (الانفال: ٤٦)

''اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو۔ آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر و سہار رکھو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

غور فرمائیں کہ لڑائی جھگڑے اور اختلافات سے انسانیت کا نقصان ہی نقصان ہے۔ کہ جس سے قوت و طاقت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ اور لڑائی جھگڑا کرنے والی قوم کی کوئی حیثیت و اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ لڑائی جھگڑے کو چھوڑا جائے اسی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

((عَنْ أَبِی أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحًا، وَبِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ.)) [1]

''سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس شخص کے لئے جنت کے اطراف میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دیا، اور اس شخص کے لئے جنت کے درمیان میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے مزاح و مذاق کے طور پر بھی جھوٹ کا ارتکاب نہیں کیا، اور اس شخص کے لیے جنت کے بلند ترین حصے میں گھر کا ضامن ہوں جس کا اخلاق اچھا ہو۔''

غور فرمائیں: کہ لڑائی جھگڑے کو چھوڑنے والے کے لیے آپ ﷺ جنت میں بہترین گھر کی ضمانت دے رہے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا انسان کامیاب ترین انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو سنبھالنے اور لڑائی جھگڑے سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٨٠٠۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ٢٧٣.

باب نمبر:12

# سرکشی

سرکشی کا مطلب ہے کہ کسی کے احکامات وفرامین سے بغاوت کرنا اوران کو رد کر دینا۔ ایسا کرنا جرم ہے۔اور خصوصاً اللہ تعالیٰ کے فرامین کے متعلق اس قسم کی روش اختیار کرنا کہ ان کو ماننے سے انکار کر دینا۔ یہ سوچ اور فکر انتہائی بربادی تک پہنچانے والی ہے کہ جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں بھگتنا پڑے گا۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١٠﴾﴾ (الانعام: ۱۱۰)

"اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے، اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔"

﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾﴾

(البقرہ: ۱۵)

"اللہ بھی ان سے مذاق کرتا ہے، اور انہیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں بڑھا دیتا ہے۔"

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ سرکشی کرنے والے دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں، اور آخرت میں بھی بدترین سزاؤں سے دوچار ہو جائیں گے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ طَغَى ﴿٣٧﴾ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى ﴿٣٩﴾﴾

(النازعات: ۳۷تا۳۹)

’’تو جس نے سرکشی کی ہوگی، اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی۔ یقیناً اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔‘‘

غور فرمائیں کہ جہنم کی سزا بھی سرکشی کی وجہ سے ہے۔ معلوم ہوا کہ سرکشی اور بغاوت میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہمیشہ ذلت و رسوائی کا ہی باعث بنتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سرکشی پسند نہیں ہے۔ جو بھی ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ذلیل کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے:

((عن انس بهذه القصة عن النبى ﷺ قال: اِنَّ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ لَا يَرْفَعَ شَيْئًا مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا وَضَعَهُ.)) [1]

’’سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ قصہ مروی ہے۔ اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ دنیا میں جو چیز بھی سر اونچا اٹھاتی ہے تو وہ اسے نیچا دکھا دیتا ہے۔‘‘

یعنی جو سرکشی کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ضرور نیچا کرے گا یعنی ذلیل و رسوا کرے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سرکشی اور بغاوت سے اپنے آپ کو قطعاً بچایا جائے اسی میں ہی دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔



[1] صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم: ٦٥٠١.

باب نمبر:13

# عیب تلاش کرنا

کسی کے عیب تلاش کرنے سے یقیناً اس کی شخصیت آپ کے نزدیک مجروح ہو جائے گی کہ جس کی وجہ سے اس کی وہ عزت وتکریم آپ کے نزدیک نہیں رہے گی جو کہ دین اسلام ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان سے چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام نے عیب تلاش کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس فعل کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۱﴾ (الحجرات: ۱۱)

”اے ایمان والو! کوئی مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو، اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ، اور نہ کسی کو بُرے لقب دو، ایمان کے بعد فسق بُرا نام ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔“

اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ سراسر نقصان ہے۔

نبی کریم ﷺ نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

((اِنَّكَ اِنْ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدَتَّهُمْ اَوْكِدْتَّ اَنْ تُفْسِدَهُمْ .)) [1]

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٨٨٨۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

''اگر تم لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگو گے تو انہیں خراب کر دو گے یا خرابی کے قریب کر دو گے (کیونکہ جب ان کے عیوب ظاہر ہو جائیں گے تو وہ کھلم کھلا برائی کریں گے)۔''

غور فرمائیں کہ عیوب کو تلاش کرنے میں فائدہ کوئی نہیں، نقصان ہی نقصان ہے۔ عیب تلاش کرنے کی وجہ سے لوگ متنفر ہو جائیں گے کہ جس سے معاشرے کا امن وسکون برباد ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے شریعت نے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، اور ایسا کرنے والوں کے لیے سخت ترین سزائیں مقرر کی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝﴾ (الهمزه: ١ تا ٣)

''بڑی خرابی ہے ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا ہے غیبت کرنے والا ہو۔ جو مال جمع کرتا جائے، اور گنتا جائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا۔''

یہ عذاب آخرت کا ہے، دنیا میں بھی ایسے لوگوں کو ذلیل ورسوا کر دیا جائے گا کہ دوسروں کے عیبوں کو تلاش کرتے ہیں۔

((عن ابی برزة الاسلمی قال: قال رسول الله ﷺ: يَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ: لَا تَغْتَابُوْا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعُ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ يَتَّبِعُ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ.))[1]

''سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے وہ لوگو جو اپنی زبانوں سے ایمان لائے ہو مگر ایمان ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے!

---

[1] مسند احمد: ٤/ ٤٢٠۔ سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ٢٠٣٢، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

مسلمانوں کی بدگوئی نہ کیا کرو، اور نہ ان کے عیبوں کے درپے ہوا کرو۔ بلاشبہ
جوان کے عیبوں کے درپے ہوگا اللہ بھی اس کے عیبوں کے درپے ہوگا، اور اللہ
جس کے عیبوں کے درپے ہوگیا تو اسے اس کے گھر کے اندر رسوا کر دے گا۔“

مسلمانوں کے عیب تلاش کرنے کی سزا یہ ملے گی کہ عیب تلاش کرنے والے کو دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کر دیا جائے گا، اور اس کے عیبوں کو دنیا والوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ حالانکہ اس نے وہ کام اپنے گھر میں چھپ کر کیے ہوں گے، اور یہ سمجھتا ہوگا کہ اس کی باتوں کو کوئی نہیں جانتا ہے محض دوسروں کے عیب کی تلاش کی وجہ سے اس کو دنیا میں ذلیل کر دیا جائے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ دوسروں کے عیبوں کو تلاش کرنے سے بچنا چاہیے کیونکہ اس میں خیر اور بھلائی ہے۔ لیکن آج ہماری محفلوں میں ایک دوسرے کے عیوب نکالنا، چغلی کرنا، حسد اور بغض کا اظہار کرنا ہمارا مشغلہ بن چکا ہے۔ اگر انصاف سے ہم اپنا گریبان دیکھ لیں تو شاید ہمیں اپنے سے زیادہ کوئی بُرا نہ لگے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((طُوْبٰی لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوْبِ النَّاسِ .)) [1]

”طوبیٰ ہے اس شخص کے لیے جسے اس کے اپنے عیب (خامیاں) لوگوں کی عیب جوئی (خامیوں) سے روک دیں۔“

یعنی جو دوسروں کے عیب کی ٹوہ میں نہ لگے، بلکہ اپنے ہی عیب تلاش کرتا رہے، اور اپنے ہی عیبوں کی اصلاح کرتا رہے، ایسا شخص کامیاب ہے۔ ایسے ہی شخص کے لیے طوبیٰ ہے، اور طوبیٰ جنت کا ایک درخت ہے یعنی ایسا شخص جنتی ہے۔ اور انتہائی کامیاب ترین انسان ہے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ لوگوں کے عیب تلاش کرنے سے بچا جائے۔



[1] حلية الاولياء: ۳/۲۰۲۔ فيض القدير: ۴/۲۸۱، ابن حجر نے اس کو ”حسن“ کہا ہے۔ بلوغ المرام، رقم: ۱۳۱۷.

## باب نمبر: 14

# فخر وگھمنڈ اور غرور

اپنے خاندان ،حسب ونسب اور برادری پر گھمنڈ کرنا، اپنے خاندان کی وجہ سے اپنے آپ کو معزز جاننا قطعاً پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ بلکہ بہت بڑا جرم ہے۔ کہ جس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے لگایا جا سکتا ہے۔

((عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرِهَا بِالْآبَاءِ ، مُؤْمِنَ تَقِيٌّ ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ ، اَنْتُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ ، لَيَدَعَنَّ رِجَالُ فَخْرَهُمْ بِاَقْوَامٍ ، اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ فَحْمِ جَهَنَّمَ ، اَوْلَيَكُوْنَنَّ اَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنْ الْجِعْلَانِ الَّتِي تَدْفَعُ بِاَنْفِهَا النَّتْنَ . ))[1]

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ عزوجل نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کو دور کر دیا ہے۔ (تمہیں ایمان واسلام سے معزز بنایا ہے) (آدمی دو قسم کے ہیں): صاحب ایمان ،متقی یا فاجر اور بدبخت ۔تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ لوگوں کو قومی نخوت ترک کرنا پڑے گی وہ تو (کفر وشرک کے سبب) جہنم کے کوئلے بن چکے ورنہ یہ (قوم پر تکبر کرنے والے) اللہ کے ہاں گندگی کے کالے کیڑے سے بھی ذلیل ہوں گے جو اپنی ناک سے گندگی کو دھکیلتا پھرتا ہے۔''

---

[1] سنن الترمذی، کتاب المناقب ، باب فی فضل الشام والیمن، رقم: ۳۹۵۵۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٥١١٦، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

غور فرمائیں کہ خاندانی حسب ونسب پر فخر کرنے والے اللہ کے نزدیک ذلیل ترین لوگ ہیں کہ جو کیڑوں اور مکوڑوں سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ خاندانی حسب ونسب دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے، اور یہ دنیا کوئی عمدہ اور پائیدار چیز نہیں ہے بلکہ انتہائی منحوس اور ناپائیدار ہے۔ کہ جس پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰ ﴾

(الحدید: ۲۰)

”خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی کھیل تماشہ، زینت اور آپس میں فخر و غرور اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ میں اس کو تم دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے، اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ کی مغفرت اور رضا مندی ہے، اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی تو نہیں۔“

اس وجہ سے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ تو جب اعتماد نہیں کیا جا سکتا تو پھر اس پر فخر و غرور اور گھمنڈ کرنا قطعاً زیب نہیں دیتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خاندانی حسب ونسب پر کبھی بھی فخر نہیں کرنا چاہیے۔ اصل جو فخر کی چیز ہے وہ ہے اللہ کے ساتھ تعلق۔ جس کا تعلق جس قدر اللہ کے ساتھ مضبوط ہو گا اسی قدر اللہ کے نزدیک وہ معزز ہے۔ بصورتِ دیگر کوئی چیز عزت و تکریم کا سبب نہیں ہے۔ اللہ اس تعلق کو مضبوط کرنے کی توفیق اور فخر و گھمنڈ سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔



باب نمبر:15

# دھوکہ دینا

دین اسلام امن وسکون اور سلامتی والا دین ہے۔ جو ہر طرح سے انسان کی فلاح و بہبود اور خیر خواہی چاہتا ہے۔ اور کسی ایسے کام کی اجازت نہیں دیتا کہ جو خیر خواہی اور اس کے حقوق کے منافی ہو۔ اس وجہ سے شریعت مطہرہ نے دھوکہ اور فراڈ سے روکا ہے۔ کیونکہ اس میں دوسروں کے حقوق کو غصب کرنا لازم آتا ہے۔ اور مومن کسی کے حقوق غصب کرنے والا نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ دھوکہ اور فراڈ کو منافقین کی علامت بتایا گیا ہے۔ یہ مسلمان کا قطعاً شیوہ نہیں ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ .)) [1]

''اور (منافق) جب معاہدہ کرتا ہے تو دھوکہ دے جاتا ہے۔''

یعنی منافق کی علامات میں سے یہ بھی ہے۔ کہ جب کوئی معاہدہ کرتا ہے تو دھوکہ دیتا ہے، غداری کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا .)) [2]

''جو شخص ہم (مسلمانوں) کو دھوکہ دے وہ ہم سے نہیں۔''

یعنی ہمارے دین پر نہیں ہمارے طریقہ کے مطابق نہیں ہے جو شخص بھی مسلمانوں والا طریقہ چھوڑ کر منافقوں والا کردار اپنائے گا یقیناً انتہائی بدبخت ہوگا۔

((مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٍ لَهُمْ

---

[1] صحيح البخاری، كتاب الايمان، رقم: ٤٧ ـ صحيح مسلم، كتاب الايمان، رقم: ٥٨.

[2] صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب قول النبی من غشنا منا ، رقم: ١٠١.

اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ . ))[1]

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ جس آدمی کو کسی رعیت کا ذمہ دار بنائے پھر وہ انہیں دھوکہ دیتے ہوئے مر جائے یعنی ان کے حقوق کی حفاظت کی کوشش نہ کرے، اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔''

غور فرمائیں کہ اگر حاکم وقت اپنی عوام کے ساتھ غداری کرے ان کو دھوکہ دے گا تو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا، جب جنت میں نہیں جائے گا تو پھر جہنم میں جائے گا یہ انجام بد ہے۔ دھوکہ اور فراڈ کرنے کا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے سے بچایا جائے، اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرنے کا پابند بنایا جائے۔ اسی میں فلاح اور کامیابی ہے۔



[1] صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم: ۷۱۵۰۔ صحیح مسلم، کتاب الإمارة، رقم: ۱۸۲۹.

باب نمبر:16

# بے حیائی

معاشرتی برائیوں میں سے سب سے بری اور گندی خصلت ہے کہ جس کی وجہ سے معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہو کر تباہی اور بربادی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے۔اور قتل و غارت گری عام ہو جاتی ہے۔یہی شیطان کا اصل مقصد ہے کہ کسی طرح معاشرہ کے امن وسکون کو برباد کر کے اس کو جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے کیونکہ قتل کی سزا جہنم میں ہے۔ اور شیطان انسانوں کو جہنم ہی لے جانا چاہتا ہے۔ اس کا بڑا سبب اور بنیاد بے حیائی ہے۔ارشار باری تعالیٰ ہے:

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلاً وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرہ: ٢٦٨)

''شیطان تمہیں فقیری امور سے دھمکاتا ہے۔اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔''

﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَإِنَّهُۥ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَآءُ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾﴾ (النور : ٢١)

''اے ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، جو شخص شیطانی قدموں کی پیروی کرے تو وہ تو بے حیائی اور بُرے کاموں کا ہی حکم کرے گا، اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا لیکن اللہ

تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہتا ہے کر دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب سننے والا اور سب جاننے والا ہے۔''

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ بے حیائی شیطانی کام ہے۔ اور شیطان کبھی بھی انسان کو اچھے راستے پر چلنے نہیں دیتا، بلکہ بُرے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بے حیائی بہت بری راہ ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِیْلًا ۝۳۲﴾

(بنی اسرائیل: ۳۲)

''خبردار! زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا، کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے، اور بہت ہی بُری راہ ہے۔''

کہ جس سے بچنا لازم ہے۔ تاکہ گمراہی اور تباہی سے اپنے آپ کو بچایا جا سکے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِیَّاهُمْ ۚ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱﴾

(الانعام: ۱۵۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیز پڑھ کر سناؤں جن (یعنی جن کی مخالفت) کو تمھارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کرو، ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں، اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں خواہ وہ پوشیدہ ہو اور

جس کا خون کرنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق کے ساتھ ان کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔“

غور فرمائیں کے بے حیائی کے جتنے کام ہیں چاہے وہ ظاہری ہیں یا پوشیدہ تمام سے روکا گیا ہے، اوران کو حرام قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ ان سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔ بصورت دیگر بے حیائی انسان کو دنیا اور آخرت کے بدترین عذابوں سے دوچار کرنے کا باعث بنے گی۔ ارشادربانی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾﴾

(النور : ١٩)

”جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے، اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔“

اس آیت میں بے حیائی پھیلانے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں تباہی کی وعید ہے یعنی ایسے کام کرتے ہیں کہ جس سے بے حیائی پروان چڑھتی ہے، اور لوگوں میں پھیل جاتی ہے۔ جیسے آج کل کے دور میں ٹی وی، اخبارات اور دیگر ذرائع کہ جن کے ذریعہ سے بے حیائی لوگوں میں عام کی جاتی ہے۔ یہ تمام ذرائع اور ان کے ذمہ داران اس وعید میں داخل ہوں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بے حیائی کرنے اور پھیلانے سے قطعی طور پر بچا جائے۔ کیونکہ اللہ کے بندوں کی یہی صفات ہیں کہ جب ان سے کوئی ناشائستہ بات ہو جاتی ہے تو فوراً معافی مانگ لیتے ہیں، ارشادربانی ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾﴾ (آل عمران : ١٣٥)

''جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ فی الواقع اللہ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے، اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی بُرے کام پر اڑ نہیں جاتے۔''

یعنی حقیقت کو جان لینے کے بعد کسی بھی بات پر محض اپنی انسانیت کی وجہ اڑ نہیں جاتے، بلکہ غلط کو چھوڑ دیتے ہیں، اور صحیح کو اپنا لیتے ہیں۔ یہ اللہ کے بندوں کی عظیم صفات میں سے ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ کے بندوں والی خوبیوں کو اپنائیں، اور بے حیائی والے کاموں کو چھوڑیں کیونکہ یہی کامیابی والی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!



باب نمبر:17

# حسد

معاشرے اور اقوام کو برباد کرنے والی خصلتوں میں سے ایک حسد بھی ہے۔ حسد کہتے ہیں کسی کے پاس کسی نعمت کو دیکھ کر جلنا، اور اس نعمت کے اس کے پاس سے ختم ہو جانے یا تباہ و برباد ہو جانے کی دل میں آرزو اور اُمید رکھنا۔ یہ سوچ اور فکر انتہائی تباہ کن ہے۔ اس سوچ کی وجہ سے انسان ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ حسد کرنے والے کو تو ترقی اور کامیابی کی طرف سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ بلکہ وہ تو دوسروں کی بربادی کی تمنائیں دل میں پیدا کر کے بیٹھا ہوا ہے۔ یہ ترقی کیسے کرے گا؟ اپنے اندر آگے بڑھنے کی سوچ وفکر کیسے پیدا کرے گا؟ اسی وجہ سے شریعت مطہرہ نے حسد کی شدید ترین مذمت کی ہے، اور اس کو ایمان کے منافی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ھادی دو عالم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

((عن ابی هريره ان رسول الله ﷺ قَالَ: لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ: اَلْإِيْمَانُ وَالْحَسَدُ .)) [1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے دل میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہو سکتے۔''

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ : اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ، هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنَّ تَحْلِقُ الدَّيْنَ .)) [2]

---

[1] سنن النسائی، کتاب الجهاد، رقم: ۳۱۰۹، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

[2] سنن الترمذی، صفة القيامة، باب فی فضل صلاح ذات البين، رقم : ۲۵۱۰۔ الارواء: ۲۳۸/۳۔ صحيح الأدب المفرد، رقم: ۱۹۷.

''تمہارے اندر پہلی امتوں والی بیماری حسد اور بغض سرایت کر گئی ہے۔ آپس میں بغض رکھنا مونڈنے والی بیماری ہے۔ بالوں کو مونڈنے والی نہیں، بلکہ دین کو مونڈنے والی یعنی ختم کر دینے والی ہے۔''

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ حسد دین و ایمان کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے، اگر حسد ہوگا تو ایمان نہ ہوگا، اور اگر ایمان ہوگا تو حسد نہ ہوگا، تو گویا ایمان اور حسد الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسد کو کفار و منافقین کی خصلت بتایا ہے۔ مومنوں کی طرف اس کو قطعاً منسوب نہیں فرمایا، کیونکہ مومن ایک دوسرے سے محبت کرنے والے، ایک دوسرے کی فلاح و کامیابی چاہنے والے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے دعائیں کرنے والے ہوتے ہیں۔ اپنے بھائی کی خوشی کو دیکھ کر خوش ہونے والے ہوتے ہیں۔ وہ حسد کیسے کر سکتے ہیں؟ چنانچہ ارشادات ربانی ہیں:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾﴾ (البقرہ: ۱۰۹)

''چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب میں سے کاش کہ وہ پھیر دے تمہیں بعد تمہارے ایمان کے کافر، حسد کرتے ہوئے اپنے دلوں سے بعد اس کے کہ واضح ہو گیا ان کے لیے حق، چنانچہ تم معاف کرو اور درگزر کرو حتیٰ کہ لے آئے اللہ اپنا حکم۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾﴾

(النساء: ٥٤)

''کیا وہ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر جو اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے۔ پس تحقیق ہم نے دی آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت، اور ہم نے دی ان کو

بادشاہت بہت بڑی۔"

﴿ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾ ﴾ (الفتح: ۱۵)

"عنقریب کہیں گے وہ لوگ جو پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے جب تم چلو گے نعمتوں کی طرف تاکہ تم حاصل کرو اس کو تو چھوڑ وہمیں ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ وہ ارادہ کرتے ہیں یہ کہ بدل دیں اللہ کا کلام کہہ دیجئے ہرگز نہیں تم چلو گے ہمارے ساتھ اسی طرح کہہ دیا ہے اللہ نے پہلے ہی سے پھر یقیناً وہ کہیں گے بلکہ تم حسد کرتے ہو پھر ہم سے (نہیں) بلکہ ہیں وہ نہیں سمجھتے مگر تھوڑا۔"

ان آیات پر غور فرمائیں! ان آیات میں حسد کی نسبت یہود و نصاریٰ اور کفار کی طرف ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسد کرنا، جلنا یہ کافروں کا کام ہے۔ مومن ایسا قطعاً نہیں۔ حسد اور حسد کرنے والوں سے بچیں۔ اور حسد کرنے والوں کے شر سے بچنے کے لیے دعائیں کیا کریں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾ ﴾ (الفلق: ۵)

"اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔"

کیونکہ حسد کرنے والے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے بسا اوقات نقصان بھی پہنچا دیا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے شر سے بچنے کے لیے دعا کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ حسد کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین!

**نوٹ**......: حاسد کے حسد سے بچاؤ کا حصار: سورۃ الفلق مکمل پڑھیں۔



باب نمبر:18

# بغض اور کینہ

بغض اور کینہ سے نفرت پیدا ہوتی ہے ۔ نفرت سے ہی لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کی نوبت آتی ہے کہ جس سے معاشرے کا امن وسکون تباہ و برباد ہو جاتا ہے ۔ چونکہ دین اسلام بطور خاص امن وسلامتی کا داعی ہے، اس وجہ سے اسلام نے ہر اس کام سے منع فرمایا کہ جو معاشرے کے امن وسکون کو تباہ و برباد کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ بغض و کینہ چونکہ امن وسکون کی فضاء کے لیے زہر قاتل ہے، اس وجہ سے شریعت مطہرہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

بغض اور کینہ ایک وبال ہے۔ مصیبت ہے۔ کہ جس میں مبتلا انسان ہمیشہ پریشان رہتا ہے اور اللہ اس کی کسی نیکی کو بھی قبول نہیں فرماتے۔ جب تک بغض و کینہ کو ترک نہ کر دے چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالَ: اُنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا اَنْظِرُوْا هٰذَيْنَ حَتّٰى يَصْطَلِحَا اُنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا . ))[1]

”سوموار اور جمعرات کے روز جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور وہ تمام لوگ بخش دیئے جاتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، البتہ وہ دو شخص جو باہم کینہ رکھتے ہیں ان کی بخشش نہیں ہوتی، حکم ہوتا ہے انہیں مہلت

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، رقم: ٢٥٦٥.

دے دو حتیٰ کہ صلح کر لیں، انہیں مہلت دے دو حتیٰ کہ صلح کر لیں، انہیں مہلت دے دو یہاں تک کہ صلح کر لیں۔''

غور فرمائیں کہ بغض و کینہ کی وجہ سے عمل قبول نہیں ہوتے اگر اس دوران موت آجائے تو انجام کیا ہو سکتا ہے؟؟؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عمل تو قبول نہیں کیے یقیناً انجام انتہائی بُرا ہو سکتا ہے۔اس انجام بد سے بچنے کے لیے مومن کبھی بھی بغض و کینہ اپنے اندر پیدا نہیں ہونے دیتے اور اگر کبھی شیطان ان کے درمیان عداوت و دشمنی پیدا کر بھی دے تو فوراً اپنے بغض و کینہ کو دل سے نکال دیتے ہیں۔ اور اللہ سے معافی مانگتے ہیں۔ کیونکہ یہی حکم دیا گیا ہے۔

یعنی مومن فی الفور نفرت و عداوت کو ختم کر دیتے ہیں یہی مومنوں کی شان اور ان کے ایمان کا تقاضا ہے ان کے برعکس کافروں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ مومنوں کے خلاف اپنے دل میں نفرت رکھتے ہیں۔ارشاد ربانی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾﴾

(آل عمران : ۱۱۸)

''اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا کسی اور کو نہ بناؤ تم تو نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کسر اٹھا نہیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے، اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان کر دیں۔''

یعنی ان کی نفرت و عداوت میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی بلکہ یہ نفرت کرتے رہیں گے یہ نفرت تمہارے ساتھ بھی ہوتی ہے، اور یہ خود آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ نفرت

کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ نفرت و عداوت اللہ تعالیٰ نے ان کا مقدر بنا رکھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾﴾

(المائدہ: ٦٤)

''اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں جسطرح چاہتا خرچ کرتا ہے، اور جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتارا جاتا وہ ان میں سے اکثر کو تو سرکشی اور کفر میں بڑھا دیتا ہے، اور ہم نے ان میں آپس میں ہی قیامت تک لئے عداوت اور بغض ڈال دیا ہے جب وہ لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے یہ زمین میں شر و فساد مچاتے پھرتے ہیں، اور اللہ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا۔''

یہ بغض و کینہ ان میں ہمیشہ قائم رہے گا۔ اور آپس میں ہمیشہ لڑتے رہیں گے۔ یہ تمام کا تمام نتیجہ کفر و سرکشی کا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایمان و یقین کو پیدا کیا جائے تاکہ بغض و کینہ کا خاتمہ ہو سکے اور معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن سکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنے سینے صاف رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



باب نمبر:19

# بدگمانی

لڑائی جھگڑوں سے قومیں تباہ و برباد ہو جایا کرتی ہیں۔ ان کا امن وسکون برباد ہو جایا کرتا ہے۔ لڑائی جھگڑوں کی بنیادی وجہ بدگمانی ہوتی ہے۔ یعنی دوسروں کے متعلق اپنے ذہن کو خراب کر لینا کہ وہ میرا نقصان کرنا چاہتا ہے۔ یا مجھے تکلیف دینا چاہتا ہے۔ یہ ایسی سوچ ہے کہ جس سے لڑائی جھگڑوں کی نوبت ضرور آتی ہے۔ اس وجہ سے دین اسلام نے بدگمانی سے ہی منع فرمایا ہے۔ تاکہ معاشرے کے امن وسکون کو قائم و دائم رکھا جاسکے۔
ارشاد ربانی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ (الحجرات : ۱۲)

''اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو۔ یقیناً بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔''

یعنی بیٹھے بٹھائے دوسروں کے بارے میں غلط ذہن نہ بنالیا کرو، بلکہ یہ سوچا کرو کہ میرا بھائی میرا نقصان نہیں کرسکتا، بلکہ وہ تو میرا خیر خواہ ہے میری بہتری چاہتا ہے۔ اس سے پیار و محبت پیدا ہوگی لیکن اگر بیٹھے بٹھائے بغیر کسی وجہ کے غلط سوچیں سوچو گے تو نقصان کر بیٹھو گے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

((اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ .)) [1]

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بدگمانی سے بچے رہو کہ وہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم : ٦٠٦٦۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، رقم : ٢٥٦٣.

یعنی بدگمانی سب سے جھوٹی چیز ہے۔ اور جھوٹی چیز کے قریب ایک مسلمان کبھی بھی نہیں جاتا بلکہ مسلمان بدگمانی اور ہر وہ کام کہ جو بدگمانی پیدا کرسکتا ہے۔ مثلاً دوسروں کے عیبوں کی ٹوہ میں لگے رہنا۔ دوسروں کی کمزوریوں کو پکڑنے کی کوشش کرنا ان تمام چیزوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

((عن معاویہ رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: اِنَّكَ اِنَ اتَّبَعْتَ عَوَرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدَتَّهُمْ اَوْكِدْتَ اَنْ تُفْسِدَهُمْ .)) [1]

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑو گے تو انہیں بگاڑ دو گے یا قریب ہے کہ بگاڑ دو۔''

یعنی بدگمانی یا دوسروں کے عیبوں کی تلاش میں قطعاً کوئی خیر نہیں ہے۔ خیر تو بس اپنے دل و دماغ کو اپنے بھائیوں کے بارے میں پاک و صاف رکھنے میں ہے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ بدگمانی سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!



[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی النهی عن النجس، رقم: ٤٨٨٨ ۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

باب نمبر:20

# فساد پھیلانا

دین اسلام امن و آشتی کا منبع اور مرکز ہے۔ جو ہر طرف امن وسکون اور سلامتی کو دیکھنا چاہتا ہے، اور کسی ایسے کام کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا کہ جو امن وسکون کے ماحول کو گزند پہنچا سکتا ہو۔ اور جو لوگ انسانیت کے امن وسکون کو برباد کرنے کی کوشش کریں ان کی انتہائی مذمت فرماتا ہے، اور ان کے لیے انتہائی سخت سزائیں، حدود اور تعزیرات تجویز کرتا ہے۔ تا کہ شر و فساد کے دلدادہ لوگ سزاؤں کی وجہ سے اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾﴾ (المائدہ: ۳۳)

''کہ بس ان لوگوں کی سزا کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑیں، اور زمین میں فساد پھیلاتے پھریں یہی ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا پھر مخالف سمتوں سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے یہ تو دنیوی رسوائی ہے، اور آخرت میں بہت ہی بڑا عذاب ہے۔''

یہ بدترین عذاب اور سزائیں دنیا کی ہیں، اور آخرت میں بھی انتہائی رسوا کرنے والے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس وجہ سے مومن کبھی بھی شر و فساد کے قریب نہیں جاتے بلکہ ہر حال میں کوشش کرتے ہیں کہ شر و فساد سے بچا جائے۔ لیکن جب کفار و منافقین کی شرارتیں

انتہاء کو پہنچ جائیں جیسا کہ ان کا ہمیشہ کردار رہا ہے، ان کو روکا جائے تو وہ سمجھتے نہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان فرامین میں بیان کیا ہے۔

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝١١ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ۝١٢﴾ (البقرہ: ۱۱،۱۲)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار ہو! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور (سمجھ) نہیں رکھتے۔''

مزید فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۝٢٠٤ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝٢٠٥﴾

(البقرہ: ۲۰۴،۲۰۵)

''بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں، اور وہ دل اپنے کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے۔ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔''

یعنی کفار و منافقین کا کام فساد پھیلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے اس کردار کو قطعاً پسند نہیں فرماتا۔ ان کے اس گندے کردار اور شرارتوں سے بچنے کے لیے مومن اپنا دفاع کرتے ہیں۔ آج اہل مغرب نے مومنوں کے اس دفاع کو دہشت گردی قرار دیا ہے۔ حالانکہ دنیا کے امن و سکون کو برباد کر کے خود دہشت پھیلا رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود امن کے چیمپیئن بنے ہوئے ہیں۔ سچ کہا کسی شاعر نے ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کر جائیں تو چرچا نہیں ہوتا

اہل مغرب سب کچھ کرنے کے باوجود امن وسلامتی کے دعوے دار ہیں۔ حالانکہ یہ کام صرف اور صرف اہل ایمان کا ہے۔ ان کے سوا کوئی بھی امن وسکون کا داعی نہیں ہے۔ جتنے بھی دعوے دار ہیں سب کے سب جھوٹے ہیں، اور فساد پھیلانے کے لیے خوب کوششیں کر رہے ہیں۔ کہ جن کو اللہ تعالیٰ قطعاً پسند نہیں کرتا۔



باب نمبر:21

# بیجا غصہ

بیجا غصہ اور ناراضگی بھی معاشرے کے امن وسکون کے لیے ایک ناسور ہے کہ جس سے معاشرہ میں لڑائی اور جھگڑا کی نوبت آتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ غصہ کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾﴾

(الانبیاء: ۸۷)

''اور مچھلی والے یونس کو یاد کرو جبکہ وہ غصہ سے چل دیا، اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے۔ بالآخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اٹھا کہ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے، بیشک میں ظالموں میں سے ہو گیا۔''

غور فرمائیں کہ سیدنا یونس علیہ السلام غصہ کی وجہ سے چلے گئے لیکن اس ناروا غصہ کا کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ نقصان ہوا کہ اس ناروا غصہ کی وجہ سے مچھلی کے پیٹ میں ایک وقت گزارنا پڑا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ناروا غصہ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ غصہ چھوڑنے میں بہت سے فوائد ہیں۔ لڑائی جھگڑے سے نجات مل جاتی ہے۔ حقوق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے۔ امن وسکون پیدا ہو جاتا ہے۔ لوگوں میں عزت قائم ہو جاتی ہے۔ انہی وجوہات کی بنیاد پر دین اسلام نے غصہ کو کنٹرول کرنے کی خوب ترغیب دی ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو وصیت کی کہ غصہ نہ کیا کرو۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے

نصیحت فرمائیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَغْضَبْ .))

""غصہ مت کرو۔""

''اس صحابی نے آپ ﷺ سے کئی مرتبہ درخواست کی، لیکن آپ کا جواب یہی کہ ناروا غصہ مت کرو۔'' ❶

کیونکہ غصہ انسان کی عقل کو ماؤف بنا دیتا ہے۔ اور اس کو آپے سے باہر کر دیتا ہے جو کہ اس کے اور دوسروں کے لیے نقصان کا باعث بنتا ہے۔

دورانِ گفتگو اگر کوئی بات طبیعت پر بھاری بھی گزر جائے تو غصہ ناراضگی کی بجائے صبر و تحمل کی راہ اختیار کرنے میں رسول اللہ ﷺ کی نصیحت ملاحظہ فرمائیں:

((لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرُعَةِ ، اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ .)) ❷

''وہ طاقتور نہیں جو مقابل کو بچھاڑنے والا ہے۔ طاقتور صرف وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔''

یعنی اپنے آپ کو کنٹرول کر کے شریعت نے غصہ کو کنٹرول کرنے کا علاج بھی ہمیں بتایا ہے۔

((حدثنا ابو وائل القاص قال: دخلنا علی عروة بن محمد السعدی فَکَلَّمَهُ رَجُلٌ فَاَغْضَبَهُ فَقَامَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رجع وَقَدْ تَوَضَّأَ فَقَالَ: حَدَّثَنِی اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ عَطِیَّةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّیْطَانِ ، وَاِنَّ الشَّیْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ ، وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ ، فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ .)) ❸

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: ٦١١٦.   ❷ صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: ٦١١٤.

❸ مسند احمد: ٤/٢٢٦، من حدیث ابراهیم بن خالد به۔ عروة وابوه وثقهما ابن حبان، والحاکم، والذهبی: ٤/٣٢٧، ٣٢٨، وغیرهما.

''ابووائل القاص (واعظ) کہتے ہیں کہ ہم جناب عروہ بن محمد سعدی رحمہ اللہ کے ہاں گئے۔ ایک آدمی نے ان میں سے کوئی بات کی تو انہیں غصہ آ گیا، تو وہ اٹھے اور وضو کیا پھر (وضو کر کے) واپس آئے، اور بیان کیا کہ مجھے میرے والد نے میرے دادا عطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے۔ سو جب تم میں سے کسی کو غصہ آ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ وضو کر لے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے۔ شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا کرو۔ غصہ ایک اور طریقہ سے بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔ کہ غصہ کے وقت خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ: عَلِّمُوْا وَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ.)) [1]

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سکھاؤ اور آسانی کرو اور مشکل مت کرو، اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ خاموش رہے۔''

یہ غصہ کو کنٹرول کرنے کا طریقہ ہے۔ جو بھی غصہ کو کنٹرول کرے گا وہ بڑا ہی عظیم اور مبارک شخص ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ جُرْعَةٍ اَعْظَمُ اَجْرًا عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ، كَظَمَهَا عَبْدٌ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.)) [2]

''کسی بندہ نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک غصہ کے گھونٹ سے بڑھ کر کوئی گھونٹ نہیں

---

[1] مسند احمد، رقم: ٢١٣٦، شیخ شعب نے اسے ''حسن لغیرہ'' قرار دیا ہے۔
[2] سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، رقم: ٤١٨٩، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

پیا، جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے پیا جاتا ہے۔"

مزید برآں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ اَنْ يَنْفِذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَؤُوسِ الْخَلَائِقِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ فِيْ اَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ .)) [1]

"جو شخص غصہ پی جائے جبکہ وہ اس پر عمل درآمد کی قدرت رکھتا ہو تو اللہ اسے قیامت کے دن برسر مخلوق بلائے گا، اور اسے اختیار دے گا کہ جنت کی حور عین میں سے جسے چاہے منتخب کر لے۔"

((عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ عَمَلًا يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ قَالَ: لَا تَغْضَبْ .)) [2]

"ابو صالح نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے ایک شخص سے بیان کرتے ہیں کہ اس نے عرض کیا، اللہ کے رسول! مجھے ایک ایسا عمل سکھائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے، اور آپ مجھے زیادہ مسائل نہ بتائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔"

یہ چاروں احادیث اس شخص کی فضیلت بیان کر رہی ہیں کہ جو شخص اپنے غصہ کو کنٹرول کرے، اس کے لیے رب کی رضا ہے۔ جنت ہے۔ حور عین سے شادی ہے۔ یہ تمام نعمتیں غصہ کو کنٹرول اور قابو کرنے کی وجہ سے ہیں۔ ایسے ہی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان فرامین میں بیان کیا ہے۔

﴿فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الحلم، رقم: ٤١٨٦ ـ البانی رحمہ اللہ نے اسے "حسن" کہا ہے۔

[2] مسند ابی یعلی: ١٥٩٣/٣، یہ روایت "صحیح" ہے۔

الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

(الشوریٰ : ۳۶،۳۷)

''تو تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ زندگانی دنیا کا کچھ یونہی سا اسباب، اور اللہ کے پاس جو ہے وہ اس سے بدرجہ بہتر اور پائیدار ہے، وہ ان کے لیے ہے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں، اور غصے کے وقت بھی معاف کر دیتے ہیں۔''

اہل ایمان کی علامات میں سے ہے کہ وہ ناروا غصے سے اجتناب کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾﴾

(آل عمران : ۱۳۳۔۱۳۴)

''اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ آسانی میں سختی کے موقعہ پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے۔''

یہ دونوں آیات بھی اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ معاف کر دینے والوں، اور غصہ کو کنٹرول کرنے والوں کے لیے کامیابی ہے، اور اللہ کی رضا ہے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ جب بھی کسی بات پر غصہ آجائے تو اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھیں کیونکہ اس سے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!



باب نمبر:22

# بخل و کنجوسی

بخل و کنجوسی انسانی طبع میں پایا جانے والا بدترین عمل ہے کہ جس کی وجہ سے انسان اللہ پاک اور لوگوں سے دور ہو جاتا ہے۔ خود اپنے اور دوسروں کے اوپر ظلم کرتا ہے۔ اپنی کنجوس طبع کی وجہ سے ان لوگوں کے حق بھی ادا کرنے سے گریز کرتا ہے کہ جن کے حقوق ادا کرنا اس پر لازم اور ضروری ہیں۔ اس وجہ سے کنجوس آدمی ناکام ہو جاتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کیونکہ وہ حقوق کی ادائیگی نہیں کرتا۔ جبکہ حقوق کی ادائیگی لازم ہے۔ اس وجہ سے شریعت مطہرہ نے کنجوس شخص کی انتہائی برائی بیان کی ہے۔ اور کنجوسی کو ایمان کے منافی قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْإِيْمَانُ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ أَبَدًا .)) [1]

''بخل اور ایمان کسی انسان کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔''

یعنی اگر دل میں ایمان ہے تو پھر کنجوسی کبھی داخل نہیں ہوگی، کیونکہ ایمان حقوق کی ادائیگی پر مجبور کر دے گا، اور جب حقوق صحیح طور پر ادا کرنے لگ جائے گا تو کنجوسی نہ ہو سکے گی تو گویا ایمان کی وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے اگر دل میں ایمان ہے تو کنجوسی نہ ہوگی اور اگر کنجوسی ہے تو ایمان نہ ہوگا، اور جب ایمان نہ ہو تو انسان بڑا ہی بدبخت اور منحوس بن جاتا ہے۔ کہ جس کی وجہ سے دنیا کی بھی تباہی حاصل ہوتی ہے۔ اور آخرت کی بھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِتَّقُوْا الظُّلْمَ ، فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَاتَّقُوْا الشُّحَّ

---

[1] سنن النسائی، کتاب الجهاد: رقم: ۳۱۱۱، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

فَإِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ . )) ❶

''ظلم کرنے سے بچو، اس لئے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا سبب ہوگا۔ بخل اور حرص سے بچو، اس لئے کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا اور حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھا۔''

غور فرمائیں کہ حرص اور بخل لوگوں کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔ بالکل یہی مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ہے۔

﴿ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۞ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۞ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۞ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۞ ﴾ (اللیل: ۸تا۱۱)

''لیکن جس نے بخیلی کی اور بے پرواہی برتی، اور نیک بات کی تکذیب کی تو ہم بھی اس کی تنگی ومشکل کے سامان میسر کردیں گے، اس کا مال اس کے اوندھا گرنے کے کچھ کام نہیں آئے گا۔''

یعنی جس نے کنجوسی کا مظاہرہ کیا اس کے لیے دنیا میں مشکلات ہیں، اور کل قیامت کے دن اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ یعنی دنیا اور آخرت دونوں ہی جہانوں کا خسارہ ہے کہیں فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ ارشادات ربانی ہیں:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۞ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۞ ﴾

(النساء: ٣٦ـ٣٧)

❶ صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم، رقم: ٢٥٧٨.

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور یتیموں اور رشتہ داروں سے، اور مسکینوں سے، اور قرابت دار ہمسایہ سے، اور اجنبی ہمسایہ سے، اور پہلو کے ساتھی سے، اور راہ کے مسافر سے، اور ان سے جن کے مالک بنے تمہارے ہاتھ (غلام کنیز) یقیناً اللہ تکبر کرنے والوں کو اور شیخی خوروں کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں، اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اللہ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے اسے چھپا لیتے ہیں۔ ہم نے ان کافروں کے لیے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے۔''

﴿تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّى ○ وَجَمَعَ فَأَوْعَى ○﴾ (المعارج: ۱۷، ۱۸)

''وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہٹتا ہے اور منہ موڑتا ہے۔ اور جمع کر کے سنبھال کر رکھتا ہے۔''

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ١٨٠﴾

(آل عمران: ۱۸۰)

''جنہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں، بلکہ وہ ان کے لیے نہایت بر تر ہے۔ عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے۔ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لیے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔''

ان تینوں آیات پر غور فرمائیں تو معلوم ہو گا کنجوسی اور بخل دنیا کی تباہی اور بربادی کے ساتھ ساتھ آخرت کے بدترین انجام کا بھی باعث ہے کہ جس میں انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔ کنجوس تو سمجھتا رہا کہ شاید اس کی کنجوسی اس کو فائدہ دے گی حالانکہ یہ کنجوسی جہنم کی

آگ کا طوق (ہار یا لوہے کا کڑا) بن کر گلے میں پڑے گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ کنجوسی کو چھوڑا جائے۔ چھوڑنے میں ہی کامیابی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٩﴾ (الحشر: ۹)

''اوران لوگوں کے لیے جنھوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی، اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں، اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دل میں تنگی نہیں رکھتے، بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب اور بامراد ہے۔''

اس کامیابی کے حصول کے لیے کنجوسی کو خیر باد کہیے اگرچہ یہ کام مشکل ہے۔ اس لیے کہ کنجوسی اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں رکھی ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے کنجوسی کی طرف انسان طبعًا مائل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿قُل لَّوْ أَنتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنفَاقِ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ قَتُورًا ۝١٠٠﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۰)

''کہہ دیجئے کہ اگر بالفرض تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک بن جاتے تو تم اس وقت بھی اس کے خرچ ہوجانے کے خوف سے اس کو روکے رکھتے۔ اور انسان ہے ہی تنگ دل۔''

﴿وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝٢١﴾ (المعارج: ۲۱)

''اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔''

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ انسان بڑا ہی لالچی اور کنجوس ہے۔ چاہے ساری دنیا

ہی کیوں نہ مل جائے پھر بھی مال کے ختم ہو جانے کے خوف سے کنجوسی کا مظاہرہ کرے گا۔ لہٰذا اس کنجوسی کو چھوڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین کو پیدا کیجئے کہ وہی ہے جو مالوں میں برکت عطا فرماتا ہے۔ اور وہی ہے کہ جو مالوں کو ختم کر دیتا ہے۔ جب تک وہ اللہ نہ چاہے گا ہمارے مال ختم نہیں ہو سکتے، جب یہ ذہن بن جائے گا تو اللہ تعالیٰ کنجوسی سے محفوظ فرمائے گا۔ اسی میں انسان کی کامیابی ہے۔ چنانچہ: آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُوْلُ الْآخَرُ، اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا.)) [1]

''ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ایک کہتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا اچھا بدلہ دے۔ دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! کنجوسی کرنے والے کو برباد کر۔''

غور فرمائیے کہ جائز ضرورت کے مطابق خرچ کرنے والوں کے لیے اللہ کا فرشتہ اضافے کی دُعا کر رہا ہے، جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول کرتا ہے۔ اور صحیح خرچ کرنے والوں کے مال میں خیر و برکت فرماتا ہے لیکن اس کے برعکس جو کنجوس ہیں ان کے لیے فرشتہ بددعا کرتا ہے کہ اے اللہ جو کنجوسی کا مظاہرہ کرتا ہے اس کے مال کو برباد کر دے۔ یعنی اس کے مال سے خیر و برکت ختم کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرشتے کی اس بددعا کو بھی قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جہاں جائز خرچ کرنے کے مواقع ہوں وہاں ضرور خرچ کیا جائے۔ کیونکہ اس میں کامیابی ہے۔ اللہ توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

## بخل سے بچنے کی دُعا:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَضَلَعَ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالَ.)) [2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، رقم: ۱۴۴۲۔ صحیح مسلم، رقم: ۱۰۱۰.

[2] صحیح بخاری، کتاب الدعوات، رقم: ۶۳۶۹.

باب نمبر:23

# فضول خرچی

اللہ تعالیٰ نے اسراف اور فضول خرچی سے منع کیا ہے، اس کا ایک معنی یہ ہو سکتا ہے کہ صدقہ دینے میں ایسی فضول خرچی سے کام نہ لیا جائے کہ آدمی اس کے بعد فقیر ہو جائے۔ اور دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ کھانے میں اسراف و فضول خرچی سے بچا جائے کیونکہ اس سے حس اور عقل کو نقصان پہنچتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ١٤١؀﴾ (الانعام: ۱٤۱)

”وہی ذات ہے جس نے باغات پیدا کئے چھتریوں پر چڑھائے ہوئے، اور بغیر چڑھائے ہوئے، اور کھجور اور فصلیں (پیدا کیں) ان کے پھل (مزے میں) مختلف ہیں، اور زیتون اور انار پیدا کیے ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے بھی، ان کا پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں، اور ان کی کٹائی اور چنائی کے دن اس (اللہ) کا حق دے دیا کرو، اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔“

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب اللباس“ میں تعلیقاً روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کھاؤ اور پیو اور پہنو اور صدقہ کرو، بغیر فضول خرچی اور بغیر کبر و غرور کے۔“

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ٢٦؁

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴾

(بنی اسرائیل: ٢٦،٢٧)

''اور رشتہ داروں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو، اور اسراف اور بیجا خرچ سے بچو۔ بیجا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔''

ان دونوں آیات میں فضول خرچی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اس وجہ سے اللہ کے بندے ہمیشہ فضول خرچی سے بچتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَـقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾

(الفرقان: ٦٧)

''اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی، بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ فضول خرچی اور کنجوسی سے بچنا اللہ کے بندوں کی اوصاف حمیدہ میں سے ہے۔ کیونکہ ان کا یہ عمل ان کو بہت سی پریشانیوں سے نجات دلانے والا ہے۔ جبکہ فضول خرچی واسراف بہت سی پریشانیوں کا باعث اور سبب ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاۗءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴾

(الانبیاء: ٩)

''پھر ہم نے ان سے کیے ہوئے سب وعدے سچے کیے انہیں، اور جن جن کو ہم نے چاہا نجات عطاء فرمائی، اور حد سے نکل جانے والوں کو غارت کر دیا یعنی ہلاک کر دیا۔''

یہ ہلاکت محض ان کی زیادتی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا

تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ (الاعراف : ٣١)

''اے اولادِ آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو، اور خوب کھاؤ اور پیو، اور حد سے مت نکلو۔ بیشک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس آیت میں بھی فضول خرچی اور اسراف سے منع کیا گیا ہے، اور منع کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اسراف کو اللہ تعالیٰ قطعاً پسند نہیں کرتا۔ یعنی جو لوگ اسراف سے کام لیتے ہیں ایسے لوگ اللہ کے دوست نہیں ہیں نہ ان پر خاص اللہ کا فضل وکرم ہوگا۔ اس چیز سے بچنے کے لیے اللہ کے بندے اسراف سے بچتے ہیں۔ نیز اگر کوئی اسراف ہو بھی جائے تو فوراً معافی مانگ لیتے ہیں۔

﴿وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤٧﴾﴾

(آل عمران : ١٤٧)

''اور ان کا کہنا یہی تھا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے، اور ہمارے کاموں میں ہم سے جو زیادتیاں ہوئی وہ معاف کر دے، اور ہمیں ثابت قدم رکھ، اور کافر قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

تو کوشش کرنی چاہیے کہ اسراف وفضول خرچی اور بخل وکنجوسی سے اجتناب کیا جائے۔ اور دونوں کے درمیان والی راہ کو اپنایا جائے یعنی جہاں خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہاں خرچ کریں، اور جہاں خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہو وہاں خرچ نہ کریں۔ یہی صورت حال مفید ہے۔ اس میں بہتری اور کامیابی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾﴾ (بنی اسرائیل : ٢٩)

''اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ، اور نہ ہی اسے بالکل کھول دے کہ پھر

ملامت کیا ہوا درماندہ بیٹھ جائے۔‘‘

یعنی دکھ اور افسوس کا سامنا اس وقت کرنا پڑے گا کہ جب اسراف سے کام لیا جائے گا۔ کیونکہ اسراف کرنے سے بہت جلد مال و دولت ختم ہو جائے گا۔ اس پریشانی اور افسوس سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اسراف سے قطعاً پرہیز کیا جائے۔ اللہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!



باب نمبر:24

# میوزک سننا

ایسے جرائم کہ جن جرائم کی قباحت وگندگی ہمارے معاشرے سے ختم ہوگئی ہے۔ بلکہ معاشرہ والے ان جرائم کو جرائم ہی نہیں سمجھتے۔ان میں سے ایک جرم ہے۔میوزک، اورموسیقی سننا یہ جرم اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس گناہ کی پاداش میں اللہ تعالیٰ قوموں کوتباہ وبرباد کردیتا ہے۔ ان کوزمین میں دھنسا دیتا ہے، اوران کی شکلوں کو بگاڑ دیتا ہے۔لیکن ہمارے معاشرے میں نہ صرف اس گناہ کی برائی کونظرانداز کردیا گیا ہے۔ بلکہ لوگ اس میوزک وموسیقی کوروح کی غذا قرار دینے لگ گئے ہیں، اوراس میں اچھے خاصے سمجھدار لوگ بھی شامل ہوچکے ہیں۔اور حدتو یہاں تک ہوگی کہ رسول اللہ کی تعریفات میں پڑھی جانے والی نعتوں میں بھی میوزک کا استعمال عام کردیا گیا ہے، شاید ایسا اس وجہ سے کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو باور کرایا جاسکے کہ موسیقی پسندیدہ امر ہے۔ حالانکہ شریعت اس کوقطعاً پسند نہیں کرتی، خود جناب رسول مکرم ﷺ نے انتہائی نفرت اور بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔

((عَنْ نَافِعٍ قَالَ: سَمِعَ ابْنُ عُمَرَ مِزْمَارًا قَالَ: فَوَضَعَ إِصْبَعَيْهِ عَلَى أُذُنَيْهِ ، وَقَالَ لِي: يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا؟ قَالَ: فَقُلْتُ: لَا ، قَالَ: فَرَفَعَ إِصْبَعَيْهِ مِنْ أُذُنَيْهِ وَقَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، فَسَمِعَ مِثْلَ هَذَا فَصَنَعَ مِثْلَ هَذَا . ))[1]

”جناب نافع بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بانسری کی آواز سنی تو

[1] سنن ابوداؤد، کتاب الأدب، رقم: ٤٩٢٤۔ مسند احمد: ٣٨/٢۔ صحیح ابن حبان، رقم: ٢٠١٣، ابن حبان نے اس کو”صحیح“ کہا ہے۔

انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں پر رکھ لیں، اور پھر مجھ سے پوچھا: اے نافع! کیا بھلا کچھ سن رہے ہو؟ میں نے کہا: نہیں، تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں سے اٹھا لیں، اور کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا تو آپ ﷺ نے اسطرح کی آواز سنی تو آپ ﷺ نے ایسے ہی کیا تھا۔"

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک بانسری کی آواز سن کر اس قدر نفرت اور بیزاری کا اظہار فرمایا کہ اپنی دونوں انگلیوں کو کانوں میں ٹھونس لیا تاکہ بانسری کی آواز کان میں نہ آنے پائے۔ تو جب بانسری کے ساتھ دوسری میوزک کی چیزوں کو بھی ملا لیا جائے تو ذرا سوچیے کہ اس میوزک کے آلات کی مسحور کن آواز کس قدر ہلاکت خیز ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود قوم گونگے بہروں کی طرح میوزک کے آلات کو قبول کر رہی ہے۔ اور اس کو روح کی غذا قرار دیکر گانوں کے ساتھ نعت رسول مقبول ﷺ میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

جو کہ بہت بڑا جرم اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے کہ جس سے بچنا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ اچھے لوگوں کا کام نہیں ہے۔

سیدنا ابو عامر اور ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ، وَالْحَرِيْرَ، وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ.)) [1]

"میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کے آلات کو جائز کر لیں گے۔"

یعنی حرام کو حلال بنالیں گے جس کی وجہ سے ایسے لوگ بدترین لوگ ہوں گے کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ ان کو کہیں بدترین عذابوں سے دوچار نہ کردے۔

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الأشربة، رقم: ٥٥٩٠.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيَكُوْنَنَّ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ وَذٰلِكَ إِذَا شَرِبُوْا الْخُمُوْرَ، وَاتَّخَذُوا الْقَيْنَاتَ، وَضَرَبُوْا بِالْمَعَازِفِ.)) [1]

''اس امت میں مندرجہ ذیل عذاب آئیں گے: زمین میں دھنس جانا، پتھروں کی بارش اور شکل وصورت کا بدل جانا، اور یہ عذاب تب آئیں گے جب لوگ شراب پئیں گے، گانے والی لونڈیاں اختیار کریں گے، اور آلاتِ موسیقی بجائیں گے۔''

غور فرمائیں گانے سننے اور آلات موسیقی بجانے کی وجہ سے بدترین عذابوں میں مبتلا کر دیے جائیں گے، اس مفہوم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس فرمان میں بیان کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾

(لقمان: ٦)

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو لغو باتوں کو خرید لیتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو بہکائیں، اور اسے ہنسی بنائیں۔ یہی وہ لوگ جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

لغو بیکار باتوں کو خریدنے والوں کے لیے بدترین عذاب اور سزا کی دھمکی ہے۔ لغو باتوں سے مراد گانے بجانے کے آلات اور موسیقی سننا ہے۔ جو کہ بدترین سزاؤں کا موجب ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے میوزک اور آلات موسیقی کو چھوڑا جائے، اور سننے سنانے سے قطعاً بچا جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے، اور ہمارے دلوں کو اپنے دین کی طرف موڑ دے۔ کیونکہ دلوں کا کنٹرول اللہ مہربان کے ہی پاس ہے۔ جس طرف انسان جانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی کی طرف کی توفیق دے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی کی طرف تو جانے کی توفیق نصیب فرمائے، اور برائی سے بچنے کی قوت بھی عطاء فرمائے۔ کیونکہ وہی قادر مطلق ہے۔ آمین!

[1] سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: ٢٢٠٣ ـ سنن ترمذی، کتاب الفتن، رقم: ٢٢١٢.

باب نمبر:25

# تکلف کرنا

تکلف کو شریعت مطہرہ قطعاً پسند نہیں کرتی کیونکہ اس میں بناوٹ ہے۔ یعنی ایسی چیز کا اظہار جو کہ ہے نہیں۔ چونکہ یہ ایک قسم کا دھوکہ اور خود اپنے آپ کو مشکل میں ڈالنا ہے۔ اس وجہ سے دین اسلام اس کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ . ))[1]

''ہمیں تکلف اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔''

منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ ، وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا ، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، اَلثَّرْثَارُوْنَ ، وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ ، وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ . ))[2]

''قیامت کے دن میں سب سے زیادہ قریب اور میرے محبوب وہ لوگ ہوں گے جو اخلاق میں سب سے اچھے ہوں گے، اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور اور ناپسندیدہ وہ لوگ ہوں گے جو تکلف سے زیادہ باتیں کرنے والے، باچھیں کھول کر گفتگو کرنے والے، اور منہ بھر کر کلام کرنے والے ہیں۔''

---

[1] صحيح البخاری، كتاب الإعتصام بالكتاب والسنة، رقم: ۷۲۹۳.

[2] سنن ترمذی، كتاب البر والصلة، رقم: ۲۰۱۸، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

یعنی انتہائی پرتکلف انداز گفتگو اپنانے والے اور اپنے انداز گفتگو سے اپنے آپ کو بڑا عالم، بڑا مفکر اور مدبر ثابت کرنے والے حالانکہ ایسا ہے نہیں۔

> ''تصنع اور بناوٹ تکلف ہے۔ آپ ﷺ نے لباس، چال ڈھال، کھانے پینے، مہمان نوازی اور خاطر داری میں ضرورت سے زیادہ مشقت اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: مبالغے اور تکلف سے کام لینے والے ہلاک ہوگے۔'' [1]

غور فرمائیں کہ پرتکلف انداز قطعاً اچھا فعل نہیں ہے، بلکہ تباہی اور بربادی کا سبب ہے لہٰذا ضروری ہے کہ تکلف سے کسی بھی معاملہ میں کام نہ لیا جائے، بلکہ جو توفیق کے مطابق ہو اور آسان ہو وہ کام کرنا چاہیے کیونکہ اس میں خیر و برکت ہے۔



---

[1] صحیح مسلم، کتاب العلم، باب هلك المتنطعون: رقم: ٢٦٧٠.

باب نمبر:26

# خواہش نفس کی پیروی

اللہ تعالیٰ نے انسانی طبیعت میں حرص ، لالچ ، بخل اور جھگڑالو پن اور جلد بازی رکھی ہے۔ مذکورہ صفات ایسی ہیں کہ جو انسان کو درندہ صفت اور خودغرض بنا دیتی ہے۔ اب اگر انسان اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرے گا، برائیوں میں بڑھ کر یقیناً تباہ و برباد ہو گا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيٓ ۚ إِنَّ ٱلنَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِٱلسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيٓ ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٣﴾﴾ (یوسف : ۵۳)

”میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا ، بلاشبہ نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے۔مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ بلاشبہ میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔“

یعنی جس پر رب رحم کرے وہی انسان نفسانی خواہشات کی تباہ کاریوں سے نجات پا سکتا ہے۔ بصورت دیگر بچنا بہت مشکل ہے۔ اسی وجہ سے شریعت اپنی خواہشات کی پیروی سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔اور ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَٱصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِٱلْغَدَوٰةِ وَٱلْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُۥ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُۥ عَن ذِكْرِنَا وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ وَكَانَ أَمْرُهُۥ فُرُطًا ﴿٢٨﴾﴾

(الکھف : ۲۸)

”اور اپنے آپ کو انہیں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اسی کے چہرے کے ارادے رکھتے ہیں (رضا مندی چاہتے ہیں) خبردار!

تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں کہ دینوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جاؤ دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے، اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔''

﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٤﴾ ﴾ (محمد: ١٤)

''کیا پھر جو شخص کہ وہ بے واضح دلیل پر ہے اپنے رب کی طرف سے اس شخص کی طرح ہے جس کے لیے مزین کر دی گئی ہو اس کی برائی یا برا عمل اور انہوں نے پیروی کی اپنی خواہشات کی۔''

ان دونوں آیات میں خواہش نفسانی کی پیروی سے روکا گیا ہے، نیز ایسے لوگوں کو گمراہ کہا گیا ہے یعنی حقیقت اور توحید سے گمراہ ہوجانے کی وجہ خواہش نفس کی پیروی ہے۔ اس کے سوا کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾ ﴾ (النجم: ٢٣)

''دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے رکھے ہیں اور تمہارے باپ دادوں نے اللہ تعالیٰ نے تو کوئی دلیل نازل نہیں کی ان کے بارے میں، وہ لوگ تو اپنے گمان کی ہی پیروی کرتے ہیں، اور اس چیز کی جس کو ان کے دل چاہتے ہیں، حالانکہ آ چکی ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت۔''

غور فرمائیں: کہ اللہ کے علاوہ جتنے بھی معبود بنائے گئے ہیں خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہوں، ان کی پوجا و پرستش کی کوئی دلیل کسی بھی پجاری کے پاس نہیں ہے۔ سوائے اپنے دل کی چاہت کو پورا کرنے کے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے، اور اپنی خواہش کو پورا کرتے ہوئے غیر کی طرف نہ جایا جائے اللہ تعالیٰ نے بڑی سختی کے ساتھ اس سے منع کیا

ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝١٦ ﴾

(طه: ١٦)

''کہ اب اس کے یقین سے تمہیں کوئی ایسا شخص روک نہ دے جو اس پر یقین نہ رکھتا ہو۔اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو۔ ورنہ تو آپ ہلاک ہو جائیں۔''

یعنی عبادت صرف رب کی کرو۔ اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے غیر کی عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔لیکن اس منع کرنے کے باوجود بھی اگر کوئی ایسا کرے گا تو یقیناً بڑا ہی بیوقوف ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ .)) [1]

''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھے اور بعد والی زندگی کی فکر کرے۔''

غور فرمائیں! خواہشات کا پجاری انتہائی بڑا احمق ہے کہ اپنی خواہشات کے مطابق کام کرتا ہے رب کی نافرمانی کرتا ہے۔ اور اللہ پر امیدیں لگا کر بیٹھا ہے کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ سوچ اور فکر انتہائی احمقوں اور بیوقوں والی ہے۔لہٰذا ایسی سوچ اور فکر سے بچنا بہت ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ سمجھ کی توفیق بخشے۔آمین!

وصلّى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد و آله وصحبه وسلم



[1] سنن ترمذی، کتاب صفة القيامة، رقم: ٢٤٥٩ ـ سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، رقم: ٤٢٦٠، امام ترمذی نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔